ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ
دسمبر ۲۰۱۹ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سقوطِ ڈھاکہ کا سانحۂ فاجعہ

اسباب و عوامل پر ایک نظر اور سبق آموزی کے پہلو

یومِ سقوط ڈھاکہ پر بانیٔ تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب!

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042

maktaba@tanzeem.org

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۚ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد :	68
شمارہ :	12
ربیع الثّانی	1441ھ
دسمبر	2019ء
فی شمارہ	-/40

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	400 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org
رابطہ برائے ادارتی امور: 4585384 322 92+
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5

گلوبل ڈیموگرافک اینڈ آئیڈیالوجیکل چیلنج؟ — ادارہ

بیانُ القُرآن 9

سُورۃُ الشُّوریٰ (آیات ۱ تا ۲۰) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

گاھے گاھے باز خواں 29

سقوطِ ڈھاکہ کا سانحۂ فاجعہ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

انوارِ ھدایت 60

جنت اور جنتیوں کے احوال — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

تذکّر و تدبّر 67

قانونِ وراثت: قرآن حکیم کا تاکیدی اسلوب — حافظ محمد مشتاق ربانی

العُروۃُ الوُثقٰی 71

فریضہ اقامتِ دین: اسلاف کی آراء وتعامل (۲) — عبدالسلام عمر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلوبل ڈیموگرافک اینڈ آئیڈیالوجیکل چینج ؟

۹ نومبر کو وزیراعظم پاکستان نے کرتار پور راہداری کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر دونوں ملکوں کے حکام اور ذمہ داران کے درمیان بڑے خوشگوار تعلقات اور پرجوش بیانات کا تبادلہ بھی دیکھنے میں آیا۔ خاص طور پر سکھ راہنماؤں کی طرف سے اس اقدام کو ایک اہم سنگ میل قرار دیتے ہوئے کہا گیا کہ یہ ایک ابتداء ہے۔ انہوں نے مزید خواہش کا اظہار کیا کہ اسی طرح بارڈرز کھول دیے جائیں اور وسط ایشیا تک آمدورفت بحال ہو جائے تو یہ سب ممالک ترقی کریں گے۔ وزیراعظم پاکستان نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا کہ اگر سرحدیں کھول دی جائیں تو برصغیر میں خوشحالی آئے گی۔ بھارت کے وزیراعظم نریندر مودی نے اس قدم کو دیوار برلن کے گرنے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ اس منصوبے سے دونوں ممالک کے مابین پائی جانے والی کشیدگی کو کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس موقع پر سب سے اہم خطاب پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کا تھا' جنہوں نے اپنے خطاب میں برملا اظہار کیا کہ: مجھے آج کا دن ایک تاریخی دن دکھائی دے رہا ہے' کیونکہ آج ایک محبت کی راہداری کا افتتاح ہوا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں ۴۰۰ مندروں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جن کی تزئین نو کی جائے گی۔

یہ تصویر کا ایک رُخ تھا۔ جبکہ تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اسی دن بھارت کی سپریم کورٹ نے بابری مسجد کے حوالے سے انتہائی متعصّبانہ فیصلہ سناتے ہوئے انتہا پسند ہندوؤں کو باقاعدہ اجازت دے دی کہ وہ بابری مسجد کو مکمل منہدم کر کے اس کی جگہ مندر تعمیر کر سکتے ہیں۔ یہی اصل میں ہندوتوا کی دیرینہ خواہش تھی جس کو بھارتی سپریم کورٹ نے پورا کر دیا۔ دوسری طرف کشمیر میں کرفیو لگے ساڑھے تین ماہ ہو چکے ہیں۔ مسلسل کرفیو کی وجہ سے کشمیری مسلمانوں تک اشیائے خوردونوش کی رسائی بھی ناممکن ہو چکی ہے۔ بچے بھوک افلاس سے مر رہے ہیں' مریضوں کو ہسپتالوں تک رسائی ممکن نہیں۔ لوگ مرنے والوں کو اپنے گھروں میں دفنا رہے ہیں۔ حریت راہنما علی گیلانی نے وزیر اعظم پاکستان کو خط لکھ کر ان سب باتوں سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو

ابھی کیجئے' کیونکہ اب ہندوتوا کے لوگ کشمیریوں کو اُن کے گھروں سے بے دخل کرنے کی شروعات بھی کر چکے ہیں۔ جواب میں پاکستان نے اب تک جو کچھ عملی طور پر کیا ہے وہ کرتار پور بارڈر کا کھولنا ہے۔ ممکن ہے پاکستان کا یہ اقدام انتہا پسند بھارتی حکومت کے جارحانہ اور متعصّبانہ اقدامات کے جواب میں ایک کامیاب اسٹرٹیجی ہو' کیونکہ جنگ کسی مسئلہ کا حل نہیں اور اس کے متبادل کے طور پر پاکستان نے ''ڈیپ اسٹرٹیجی'' کا راستہ اختیار کیا ہو۔ جس سے ایک طرف پاکستان کا مثبت چہرہ دنیا کے سامنے آئے اور دوسری طرف چودہ کروڑ سکھوں کے دل جیت کر بھارت کو ۱۹۷۱ء کا جواب دیا جا سکے۔

اگر معاملہ یہاں تک ہی محدود ہے تو پھر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ اسلام بھی اقلیتوں کے حقوق اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر سکھوں کو ان کے مذہبی مقامات تک رسائی دی جا رہی ہے یا ہندوؤں کے مندروں کی تزئین نو کی جا رہی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ سب کچھ اس نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ہو رہا ہے جو نائن الیون کے بعد سے پوری دنیا پر نافذ العمل ہے تو پھر یہ اہل ایمان کے لیے تشویش کا باعث ہونا چاہیے' کیونکہ نائن الیون کے بعد ہم ہی نہیں بلکہ ساری دنیا دیکھ چکی ہے کہ دنیا بھر میں مذہبی رواداری' اعتدال پسندی اور اقلیتوں کے حقوق کے بھاشن صرف مسلمانوں کے لیے ہی رہ گئے ہیں' جبکہ خود غیر مسلم دنیا میں کہیں بھی اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا' بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دنیا بھر میں جس مذہبی تعصب' انتہا پسندی اور کھلے عام اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا اس کی نائن الیون سے پہلے کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ انہی لمحات میں جبکہ یہ سطور لکھی جا رہی تھیں ناروے میں سرعام قرآن جلانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس نیو ورلڈ آرڈر کے تحت پوری دنیا میں صرف حقیقی اسلامی روح کے گرد گھیرا تنگ کیا گیا' اس کو بدنام کرنے کے لیے دہشت گردی سمیت ہر مکروہ سازش رچائی گئی۔ علماء کو قتل کیا گیا' اسلامی انقلابی جماعتوں پر پابندیاں لگائی گئیں' ان کے لٹریچر کو تلف کیا گیا۔ جو اسلامی انقلابی جماعتیں نفاذ اسلام کی طرف بڑھ رہی تھیں ان کا راستہ روکا گیا اور انہیں کچلنے کے لیے انسانی تاریخ کے بدترین مظالم ڈھائے گئے۔ الاخوان اور افغان طالبان پر ڈھائے گئے غیر انسانی سلوک کی داستانیں ہمارے سامنے ہیں۔ ڈرون حملوں اور فضائی بمباری کے علاوہ دہشت گردی کی آڑ میں اور مختلف حیلوں بہانوں سے لاکھوں مسلمان بچوں' عورتوں اور بے گناہ مسلمانوں کو شہید کیا گیا' اٹھایا گیا اور دنیا بھر کی جیلوں میں ایسی اذیتوں سے گزارا گیا کہ جن کا تصور کر کے ابلیس بھی شرما جائے۔ نائن الیون کے بعد جاری اس جنگ میں صرف اسلام اور بنیاد پرست مسلمانوں کو ٹارگٹ

بنانا اس بات کی علامت ہے کہ دنیا میں ایک بڑی آئیڈیالوجیکل اور ڈیموگرافک چینج لانا مقصود ہے۔ اسی جنگ کے نتیجے میں آج شام اور عراق کا ڈیموگرافک اور آئیڈیالوجیکل اسٹرکچر مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔ اگرچہ گریٹر اسرائیل کا راستہ ہموار کرنا بھی اسی جنگ کا ایک مقصد تھا' لیکن اس کا اصل ہدف دجال کی عالمی حکومت کا قیام ہے' اور اس کے راستے میں اصل رکاوٹ وہ ہیں جو ایک اللہ کو ماننے والے یعنی حقیقی مسلمان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جنگ صرف شام اور عراق تک محدود نہیں رہی بلکہ دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی ایک اللہ کو ماننے والے مسلمان تھے وہ اس جنگ کی لپیٹ میں آئے۔ حتیٰ کہ سری لنکا' میانمار' چیچنیا' آسام اور سنکیانگ کے مسلمانوں سے اسرائیل کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا' لیکن وہاں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خاتمے کا سلسلہ جاری ہے۔ گویا نائن الیون کے بعد شروع جنگ کا اصل ہدف ایسی گلوبل آئیڈیالوجیکل اینڈ ڈیموگرافک چینج ہے جو دجال کے استقبال کے تقاضے پورے کر سکے۔

یہی جنگ افغانستان اور پاکستان پر بھی مسلط کی گئی۔ افغان تو اٹھارہ سال بعد یہ جنگ جیت چکے ہیں جبکہ ہم اٹھارہ سال قبل ہی یہ جنگ اس وقت ہار چکے تھے جب ہم نے نیو ورلڈ آرڈر کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ کیونکہ اس کے بعد یہاں جنگ کے بغیر ہی وہ سب کچھ ہوا جو عالمی قوتیں جنگ جیتنے کے بعد کرنا چاہتی تھیں۔ یعنی دہشت گردی کی آڑ میں صرف مسلمان مارے گئے' ڈرون حملوں میں پردہ دار عورتوں اور معصوم بچوں کے پرخچے اڑائے گئے' مدرسوں اور مذہبی جماعتوں کے خلاف بلا جواز گھیرا تنگ کیا گیا' شہریوں کو پکڑ پکڑ کر دجالی قوتوں کے حوالے کیا گیا۔ یہاں تک کہ پرویز مشرف نے خود اپنی کتاب میں اس بات کا فخریہ اعتراف کیا کہ اس نے پانچ پانچ ہزار ڈالر میں مسلمان مرد' عورتیں اور بچے بیچے۔ حتیٰ کہ عافیہ صدیقی کو اس کے معصوم بچوں کے ہمراہ کراچی سے اُٹھایا گیا۔ بہت سے مدارس بند کیے گئے' مساجد کو شہید کیا گیا۔ یہاں تک کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ جیسے سانحات وجود میں آئے' جو اگر افغانستان اور فلسطین میں بھی یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئے ہوتے تو ہم اسے ظلم عظیم قرار دیتے۔ لیکن چونکہ یہ نیو ورلڈ آرڈر کا تقاضا تھا لہٰذا یہ سب کچھ ایک مسلم ملک میں بھی جائز قرار پایا۔

جبکہ دوسری طرف سیکولرازم' لبرل ازم' ہر گمراہ ٹولے اور فکری گمراہی کو پروموٹ کیا گیا۔ قادیانیت پروان چڑھی۔ اسلامی لٹریچر اور تحریر و تقریر پر تو ہر طرح سے پابندی رہی لیکن ہر طرح کی فکری گمراہی کو خوب پھلنے پھولنے دیا گیا۔ یہاں تک کہ ہر اخبار' ٹی وی چینل' ایف ایم ریڈیو اور سوشل میڈیا ان رینڈ کارپوریشنی ادیان کا مبلغ جبکہ اسلام کا دشمن بن گیا اور اسی مقصد کے لیے نئے

ٹی وی چینلز' ایف ایم ریڈیوز اور نئے اخبارات و رسائل بھی وجود میں آ گئے۔ گمراہ طبقوں کی افرادی قوت میں ہنگامی بنیادوں پر اضافہ کیا گیا۔ سادہ لوح' جاہل اور پیٹ کی سوچ رکھنے والوں کو گھیر گھار کر دین کی بنیادی اساس سے محروم کیا گیا۔ یہاں تک کہ جن علاقوں میں پہلے فکری اور نظریاتی گمراہی کے آثار تک بھی نہ تھے وہاں سے بھی گمراہوں کے جم غفیر برآمد ہونے لگے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ناچ گانے' مخلوط ڈانس کو فروغ دیا جانے لگا۔ تعلیم گاہیں حیا باختہ سانحات کی آماجگاہیں بن گئیں۔ معاشرے میں مغربی تہذیب' فحاشی اور عریانی کا دور دورہ ہو گیا۔ دراصل یہی ڈیموگرافک اور آئیڈیالوجیکل چینج اس جنگ کا اصل مطلوب تھا جو نائن الیون کے بعد شروع کی گئی۔

گویا عراق اور شام میں باقاعدہ جنگ کے ذریعے جو آئیڈیالوجیکل چینج لائی گئی وہ یہاں بغیر جنگ کے آ گئی اور اس کے بعد ہم نیو ورلڈ آرڈر کی رو میں ایسے بہتے چلے گئے کہ ہر وہ کام کرتے چلے گئے جو خود ہماری نظریاتی اساس اور سلامتی کے بھی خلاف تھا۔ ۲۰۱۱ء میں سیفما کے پہلے اجلاس میں پاکستان کے اُس وقت کے وزیراعظم نواز شریف نے کہا تھا کہ بھارت کی اور ہماری ثقافت ایک ہے' وہ بھی اُسی خدا کی پوجا کرتے ہیں جس کی ہم کرتے ہیں' ہم رحیم کہتے ہیں وہ رام کہتے ہیں' صرف ایک سرحد کی لکیر درمیان میں آ گئی ہے۔ اس اجلاس میں بھارتی شہر امرتسر کا ایک وفد بھی شامل تھا۔ اسی اجلاس میں سیفما کے سیکرٹری جنرل امتیاز عالم نے تجویز پیش کی تھی کہ واہگہ بارڈر پر ایک عوامی پارک بنایا جائے جہاں دونوں ملکوں کے لوگ آپس میں مل بیٹھ سکیں۔ مارچ ۲۰۱۲ء میں اس وقت کے وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کے تعاون سے بنی گالا (اسلام آباد) میں "The Art of Living" نام کی ایک ہندو این جی او کے ''آشرم'' کا افتتاح کیا گیا جس کا سربراہ نریندر مودی کا دوست اور مذہبی پیشوا شری روی شنکر تھا۔ لاہور اور کراچی میں بھی اس ہندو تنظیم کے مراکز قائم ہوئے جہاں لوگوں کو یوگا کی تربیت دی جاتی اور گیتا پڑھائی جاتی رہی۔ بالآخر ۲۰۱۴ء میں وفاقی حکومت نے خفیہ اداروں کی رپورٹس پر اس این جی او کے سربراہ روی شنکر کی پاکستان آمد اور پاکستان میں اس کے براہِ راست لیکچرز پر پابندی لگانے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ اس تنظیم کے ذریعے ''را'' مشکوک سرگرمیوں میں ملوث تھی۔ پھر ۲۰۱۳ء میں سندھ حکومت نے سرکاری طور پر دیوالی منانے کا اعلان کیا۔ اسی سال بلاول بھٹو دیوالی کے تہوار میں شریک ہوئے۔ ۲۰۱۶ء میں بلاول بھٹو نے باقاعدہ ایک مندر میں پوجا پاٹ میں حصہ لیا۔ کوئی بھی سیاسی لیڈر صرف اقلیتوں کا لیڈر نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے کارکنوں اور عوام کے لیے ایک ماڈل بھی ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ 98 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الشُّوریٰ

تمہیدی کلمات

سورۃ الشوریٰ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ توحید عملی کا وہ مضمون جو سورۃ الزمر سے شروع ہوا تھا‘ سورۃ المؤمن اور سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں ایک خاص ترتیب وتدریج سے آگے بڑھتا ہوا اس سورت میں آ کر ’’اجتماعی عملی توحید‘‘ کی شکل میں اپنے نقطۂ عروج (climax) پر پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کا صحیح ادراک اور شعور حاصل کرنے کے لیے توحید عملی اور اجتماعیت کے باہمی ربط ولزوم کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے۔ اس حوالے سے یہ حقیقت تو بہر حال کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ فرد اور معاشرے کا وجود ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہے۔ انسان ایک متمدن حیوان ہے‘ وہ اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا‘ اس لیے دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا اس کی مجبوری ہے۔ چنانچہ جب بہت سے انسان مل جل کر رہتے ہیں تو ایک اجتماعی نظام تشکیل پاتا ہے۔ پھر اس اجتماعی نظام کے اندر حسبِ ضرورت چھوٹے چھوٹے کئی نظام اور شعبے وجود میں آ جاتے ہیں‘ جیسے کہ آج ہر معاشرے میں عائلی نظام‘ معاشرتی نظام‘ معاشی نظام‘ سیاسی نظام وغیرہ موجود ہیں۔

اس تمہید کے حوالے سے موضوع کے بارے میں سمجھنے کا اصل نکتہ یہ ہے کہ جب تک کسی انسانی اجتماعیت میں موجود تمام نظام اللہ کی حاکمیت کے تابع نہ ہو جائیں تب تک اجتماعی سطح پر توحید قائم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اگر کسی معاشرے میں انفرادی طور پر تمام لوگ توحید پرست بھی ہوں لیکن معاشرے کے اجتماعی نظام پر باطل کا غلبہ ہو تو اس معاشرے کو اسلامی معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی صورت میں ان تمام توحید پرست افراد پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاشرے یا ملک سے باطل نظام کو اکھاڑ پھینکنے اور وہاں اللہ کا نظام قائم کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہیں۔ ان لوگوں کی انفرادی توحید بھی تب ہی قابل قبول ہو گی جب وہ اپنے تن من دھن سے

باطل نظام کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنی جدّوجُہد مسلسل جاری رکھیں گے۔ لیکن اگر وہ باطل نظام کے تحت اطمینان کے ساتھ گزر بسر کر رہے ہوں‘ دن رات اپنے کیریئر زسنوارنے‘ کاروبار بڑھانے اور جائیدادیں بنانے میں مصروف ومشغول ہوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ طاغوت کی اطاعت کو قبول کر کے اللہ کی حاکمیت کا انکار کر چکے ہیں۔ اس حالت میں اگر وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند بھی ہوں اور بہت سے دوسرے نیک اعمال کا اہتمام بھی کرتے ہوں تو بھی وہ اللہ کے ہاں سرخرو نہیں ہو سکتے۔

سورۃ الشوریٰ کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ معاشرے میں اجتماعی سطح پر توحید کے نفاذ کے لیے ’’اقامتِ دین‘‘ کی اصطلاح صرف اسی سورت (آیت ۱۳) میں آئی ہے۔ چنانچہ اقامتِ دین کے موضوع پر یہ سورت قرآن حکیم کا ذروۂ سنام ہے۔

آیات ۱ تا ۹

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾
وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ
يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿۷﴾ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ
مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ
وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾

آیت ۱ ﴿حٰمٓ ①﴾ ’’ح‘ م۔‘‘

آیت ۲ ﴿عٓسٓقٓ ②﴾ ’’ع‘ س‘ ق۔‘‘

سورۃ الشوریٰ قرآن کی ان دو سورتوں میں سے ایک ہے جن کے آغاز میں پانچ پانچ حروفِ مقطعات آئے ہیں‘ لیکن اس زمرے میں بھی یہ سورت اس لحاظ سے منفرد و یکتا ہے کہ اس کے آغاز میں حروفِ مقطعات کی دو آیات ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر اس سورت سے بھی خصوصی نسبت ہے اور اس کی وجہ بھی سورۃ الحدید کے ساتھ میری نسبت ہی ہے۔ دراصل مضامین کے حوالے سے مدنی قرآن میں جو مقام سورۃ الحدید کا ہے بعینہٖ وہی مقام سورۃ الشوریٰ کا مکی قرآن میں ہے۔ سورۃ الشوریٰ حجم (۵۳ آیات) کے لحاظ سے سورۃ الحدید (۲۹ آیات) سے تقریباً دوگنا ہے‘ اور مکی قرآن چونکہ حجم کے اعتبار سے مدنی قرآن سے دوگنا ہے اس لیے ان دونوں سورتوں کے مابین حجم کے اس تناسب سے بھی یہی لگتا ہے کہ مکی قرآن کے اندر سورۃ الشوریٰ گویا سورۃ الحدید کا بدل ہے۔

آیت ۳ ﴿كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) اسی طرح وحی کرتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف بھی کرتا رہا ہے جو آپ سے پہلے تھے وہ اللہ جو بہت زبردست‘ بہت حکمت والا ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے دراصل آپؐ کے مخاطبین کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ مضامین جس طرح آپؐ کی طرف وحی کیے جا رہے ہیں اسی طرح آپؐ سے پہلے آنے والے انبیاء کرامؑ کو بھی وحی کیے جا چکے ہیں۔ كَذٰلِكَ میں وحدتِ مدعا کی طرف بھی اشارہ ہے اور طریقۂ وحی کی یکسانیت کی طرف بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کو انہی باتوں کی تعلیم دی ہے جن کی تعلیم آپؐ کو دی جا رہی ہے۔ اس کی وضاحت آگے آیت ۱۳ میں آ رہی ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ .....﴾ نیز اس تعلیم کے لیے پہلے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا جو آپؐ کے لیے اختیار فرمایا ہے‘ یعنی وحی کا نزول۔ اس کی وضاحت آیت ۵۱ میں آ رہی ہے۔ مذکورہ آیت میں وحی کی اقسام کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کن کن طریقوں سے انسانوں پر وحی بھیجتا رہا ہے۔ وحی کی ان اقسام کا ذکر میں نے اپنے لیکچر ’’تعارفِ قرآن‘‘ میں بھی کیا ہے‘ جو ’’بیان القرآن‘‘ حصہ اول میں بھی شامل ہے۔

آیت ۴ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴﴾ ’’اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور وہ بہت بلند و بالا‘ بہت عظمت والا ہے۔‘‘

آیت ۵ ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ ’’قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں‘‘

آسمان فرشتوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے اجتماع کی وجہ سے آسمان پھٹنے کے قریب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آسمانوں میں کوئی ایک بالشت برابر بھی جگہ خالی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو یا قیام میں مصروف نہ ہو۔ سورۃ المدثر (آیت ۳۱) میں فرشتوں کی کثرتِ تعداد سے متعلق ان الفاظ میں اشارہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ کہ آپ کے رب کے لشکروں کے بارے میں سوائے خود اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

﴿وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ’’اور فرشتے تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور زمین میں جو (اہلِ ایمان) ہیں ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔‘‘

سورۃ المؤمن آیت ۷ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں کہ حاملینِ عرش اور ان کے ساتھی فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔

﴿اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ ہی بخشنے والا‘ رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۶ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ﴾ ’’اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دوسرے مددگار بنا رکھے ہیں‘‘

﴿اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۣ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶﴾ ’’اللہ ان پر نگران ہے‘ اور (اے نبی ﷺ!) آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔‘‘

وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن وہ معبودان کی شفاعت کریں گے اور ان کے ذریعے سے انہیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے گا‘ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ان کے سارے افعال کی نگرانی کر رہا ہے اور ان کا نامۂ اعمال تیار ہو رہا ہے۔ ان کا محاسبہ اور مواخذہ کرنا اُسی کا کام ہے۔

آیت ۷ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ ’’اور اسی طرح ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف یہ قرآن عربی‘‘

آیت ۳ کی طرح یہاں پر بھی وحی کے ذکر کے ساتھ لفظ کَذٰلِکَ آیا ہے۔ اس کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے۔

﴿لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ ''تاکہ آپ خبردار کر دیں بستیوں کے مرکز اور اس کے اردگرد رہنے والوں کو''

بالکل یہی الفاظ سورۃ الانعام کی آیت ۹۲ میں بھی آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی قوم پر اتمامِ حجت کرنے کا یہ وہی طریقہ اور اصول ہے جس کا ذکر سورۃ القصص کی آیت ۵۹ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ ''اور نہیں ہے آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا' جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہیں بھیجتا''۔ جزیرہ نمائے عرب کی ''اُمّ القریٰ'' یعنی مرکزی بستی چونکہ مکہ ہے اس لیے مذکورہ اصول کے تحت اس مرکزی بستی میں نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔ بلکہ ایک اعتبار سے تو مکہ پوری دنیا کا ''اُمّ القریٰ'' ہے۔ اس لیے کہ حَوْلَ کے معنی اردگرد کے ہیں اور ''اردگرد'' کی حدود کسی خاص نقطے تک محدود نہیں کی جا سکتیں۔ چنانچہ ایک مرکزی مقام کے اردگرد کے دائرے کو اگر بڑھاتے جائیں تو یہ دائرہ پوری دنیا تک پھیل جائے گا۔ اس نکتے کی وضاحت اس سے پہلے سورۃ الانعام کی آیت ۹۲ کے تحت بھی گزر چکی ہے۔

﴿وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''اور آپؐ خبردار کر دیں اُس جمع ہونے والے دن سے جس میں کوئی شک نہیں۔''

﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝۷﴾ ''(اُس دن) ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ جہنم میں۔''

آیت ۸ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں ایک ہی امت بنا دیتا''

اللہ ایسے بھی کر سکتا تھا کہ دنیا کے تمام انسان مؤمن ہوتے۔

﴿وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ ''لیکن اللہ داخل کرتا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہتا ہے۔''

ان الفاظ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے: ''لیکن اللہ داخل کرتا ہے اپنی رحمت میں اس کو جو چاہتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت یا مغفرت اور جنت کی نعمتیں صرف اسی کو عطا کرتا ہے جو ان

کی خواہش رکھتا ہو اور اپنی محنت کی صورت میں ان کی قیمت بھی ادا کرنے کو تیار ہو۔ اس حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے یہ الفاظ بھی ہر اہلِ ایمان کے پیش نظر رہنے چاہئیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہلِ ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

﴿وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸﴾ ''اور جو ظالم (کافر و مشرک) ہوں گے ان کے لیے نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۹ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ﴾ ''کیا انہوں نے اللہ کے سوا کوئی اور حمایتی بنا لیے ہیں؟''

یہاں پر پھر وہی بات دہرائی گئی ہے جو پیچھے ہم آیت ۶ میں پڑھ آئے ہیں۔

﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ ''سو حمایتی تو صرف اللہ ہی ہے''

اے کم عقلو! اللہ کو چھوڑ کر تم کدھر بھٹک رہے ہو؟ اصل حمایتی' مددگار اور کارساز تو بس وہی ہے۔ اسی کو اپنا سہارا بناؤ اور اسی کو اپنا ولی مانو! اس حوالے سے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۷ کے یہ الفاظ اہل ایمان کے لیے بہت بڑی خوشخبری کی حیثیت رکھتے ہیں: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ﴾ ''اللہ ولی ہے اہلِ ایمان کا وہ انہیں گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔''

﴿وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹﴾ ''اور وہی ہے جو زندہ کرے گا مُردوں کو' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیات ۱۰ تا ۲۰

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۾ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى

وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝

آیت ۱۰ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور جس بات میں بھی تم اختلاف کرو تو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔''

یعنی تمہارے مابین جو بھی اختلاف ہو اس کے فیصلے کا حق اللہ ہی کے پاس ہے۔ یہاں سے اس سورت کے ''مضمون خاص'' یعنی اقامت دین کی تمہید شروع ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلا نکتہ یہ بتایا گیا کہ اس کائنات کا اصل حاکم اللہ ہے اور حاکمیت صرف اور صرف اسی کے لیے ہے:

Sovereignty belongs to HIM and HIM alone

اس نکتے کو اقبالؔ نے یوں بیان کیا ہے:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

آیت کے ان الفاظ کے مفہوم کے مطابق انسانوں کے باہمی اختلافات کے فیصلوں کے لیے اللہ کا حکم آخری حکم کا درجہ رکھتا ہے اور اسی حقیقت کی تعمیل کا نام اللہ کی حاکمیت ہے۔ اگر کسی معاشرے کا پورا نظام اللہ کی حاکمیت کے تحت آ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہاں اللہ کا دین قائم ہو گیا اور توحید بالفعل اس معاشرے میں نافذ ہو گئی۔ یعنی اللہ کی مرضی اور اس کے قانون کے مطابق باقاعدہ ایک حکومت قائم ہو جانے کا نام ''اقامت دین'' ہے' جو زیر مطالعہ آیات کا مرکزی مضمون ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۭ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۱۰﴾ ''وہ ہے اللہ میرا رب' اُسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

آیت ۱۱ ﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے۔''

﴿جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ﴾ ''اُس نے تمہاری ہی نوع سے تمہارے جوڑے بنا دیے اور چوپایوں سے بھی جوڑے (بنائے)۔''

جان داروں کی ہر نوع (species) میں نر بھی ہیں اور مادہ بھی۔

﴿يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ﴾ ''اسی میں وہ تمہاری افزائش کرتا ہے۔''

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ﴾ ''اُس کی مثال کی سی بھی کوئی شے نہیں۔''

اُس کی ہستی بالکل یکتا (absolutely unique) ہے۔ یہ اپنی طرز کا ایک منفرد اور حساس موضوع ہے جس کے اظہار کے لیے خصوصی اسلوب درکار ہے۔ لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری زبان میں مطلق نفی (absolute negation) کے لیے کوئی لفظ اور اسلوب ہے ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس جیسی کوئی شے نہیں یا اُس کی مثال کی سی کوئی شے نہیں۔ لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ ، وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ۔ بہرحال یوں سمجھ لیں کہ اس مفہوم میں جتنے مترادفات چاہے استعمال کر لیے جائیں' توحید کے اظہار و بیان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱﴾ ''اور وہی ہے سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ ''اُسی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی تمام کنجیاں۔''

﴿یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ﴾ ’’وہ کشادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) ناپ تول کر دیتا ہے۔‘‘

﴿اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾﴾ ’’یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔‘‘

وہ خوب جانتا ہے کہ کس کے لیے رزق میں کشادگی بہتر ہے اور کس کو بقدرِ ضرورت دینا مناسب ہے۔

اگلی آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں ’’اقامت دین‘‘ کی اصطلاح آئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت اس سورت کا عمود ہے اور اس مضمون کے اعتبار سے یہ مقام پورے قرآن میں ذروۂ سنام (climax) کا درجہ رکھتا ہے۔

آیت ۱۳ ﴿شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا﴾ ’’(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی‘‘

یہ براہِ راست اُمت سے خطاب ہے۔ مکی سورتوں میں چونکہ عام طور پر اہل ایمان کو ’’یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا‘‘ کے الفاظ سے براہِ راست مخاطب نہیں کیا جاتا اس لیے یہاں جمع کا یہ صیغہ (شَرَعَ لَکُمۡ) استعمال فرمایا گیا ہے۔ مکی سورتوں میں اس حوالے سے ہمیں دوسرا اسلوب یہ بھی ملتا ہے کہ صیغہ واحد میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے اہلِ ایمان کو پیغام پہنچایا جاتا ہے۔

﴿وَالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ وَمَا وَصَّیۡنَا بِہٖۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَمُوۡسٰی وَعِیۡسٰۤی﴾ ’’اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے‘ اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو‘‘

﴿اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ﴾ ’’کہ قائم کرو دین کو۔‘‘

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرات نوح‘ ابراہیم‘ موسیٰ‘ عیسیٰ علیہم السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کا‘ یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی ہے۔ یہی مضمون سورۃ الانبیاء میں اس طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ ہٰذِہٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۫ وَّاَنَا رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾﴾ ’’یقیناً یہ تمہاری امت‘ ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں‘ لہٰذا تم لوگ میری ہی بندگی کرو‘‘۔ یعنی تمام انبیاء و رُسلؑ اور ان کی اُمتوں کا دین ایک ہی تھا۔ ان کے درمیان اگر کوئی فرق یا اختلاف تھا تو وہ شریعتوں میں تھا۔ دوسری اہم بات اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اقامت دین کا فریضہ ان تمام پیغمبروں کو سونپا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کو اس سلسلے میں جو حکم ملا

تھا اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے کہ تم لوگ ارضِ فلسطین کو فتح کرنے کے لیے جہاد کرو۔ ظاہر ہے اس خطہ پر قبضہ کرنے کا مقصد اللہ کے دین کو وہاں بالفعل نافذ کرنا تھا۔ چنانچہ اقامت دین کی جدوجہد ماقبل امتوں پر بھی فرض تھی۔

بہرحال اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ کے حکم کا خلاصہ یہی ہے کہ زبان سے صرف عقیدۂ توحید کا اقرار کر لینا کافی نہیں بلکہ اس عقیدے کا رنگ اپنے اعمال پر بھی چڑھاؤ‘ اور نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر اپنے معاشرے کی اعلیٰ ترین (ریاستی اور حکومتی) سطح پر اس کی تنفیذ و تعمیل کو یقینی بناؤ۔ واضح رہے کہ مترجمین نے بالعموم ﴿اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ﴾ کا ترجمہ کیا ہے: ’’کہ دین کو قائم رکھو!‘‘ یہ بھی درست ہے‘ کیونکہ اقامت دین کے حوالے سے کسی معاشرے میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہاں دین قائم ہے یا قائم نہیں ہے۔ چنانچہ اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ اگر دین پہلے قائم ہے تو اسے قائم رکھو اور اگر قائم نہیں ہے تو اسے قائم کرو۔ مثلاً خیمہ اگر کھڑا ہے تو اسے گرنے سے بچانا ہے اور اگر پہلے سے کھڑا نہیں ہے تو اسے کھڑا (erect) کرنا ہے۔

﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ ؕ﴾ ’’اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔‘‘

یعنی تم لوگ اپنے دین کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایک معاملے میں تو تم اللہ کا حکم مانو اور کسی دوسرے معاملے میں کسی اور کی خوشنودی کے طالب بن جاؤ۔ اسی رویے اور طریقے کو تفرقہ کہا جاتا ہے جس سے یہاں منع کیا جا رہا ہے۔ سورۃ الانعام: ۱۵۹ کے الفاظ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ .....﴾ میں بھی ایسے ہی تفرقے کی طرف اشارہ ہے۔ البتہ فروعی مسائل میں ایک دوسرے کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے‘ یہ تفرقہ نہیں ہے۔ مثلاً میں اگر رفع یدین کرتا ہوں اور میرے کئی ساتھی امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو زیادہ صحیح سمجھتے ہوئے رفع یدین کے بغیر نماز پڑھتے ہیں تو ایسے اختلاف میں کوئی حرج نہیں‘ جبکہ بنیادی طور پر دین میں تفریق یا تفرقے کا طرزِ عمل نہ اپنایا جائے اور اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ حنفی‘ مالکی‘ شافعی‘ حنبلی اور سلفی سب کے سب ایک ہی دین یعنی اسلام کے ماننے والے ہیں۔ اسی طرح مختلف پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے‘ مثلاً اب شریعتِ محمدیؐ کا زمانہ ہے‘ اس سے پہلے شریعت موسویؑ کا دور تھا اور اس سے پہلے کوئی اور شریعت تھی۔ لیکن یہ نکتہ بہرحال واضح رہنا چاہیے کہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا یعنی اسلام۔

﴿کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَیۡہِ ؕ﴾ ’’(اے نبی ﷺ) بہت بھاری

ہے مشرکین پر یہ بات جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں۔‘‘

مشرکین کی زندگی تو اسی تفریق و تقسیم پر چل رہی ہے۔ وہ تو اس نظریے پر عمل پیرا ہیں کہ ’’جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو‘‘۔ ہمارے ہاں بھی ایسی ہی تقسیم پر دنیا کے معاملات چل رہے ہیں کہ جو حکومت کا حق ہے وہ حکومت کو دو اور جو مولوی کا حق ہے وہ مولوی کو دو۔ اور فرض کریں اگر علماء بھی اس تقسیم پر راضی ہو جائیں کہ چلیں ہمارا کام تو چل ہی رہا ہے تو ایسی صورتِ حال میں دین کی تو گویا نفی ہو جائے گی‘ کیونکہ دین تو اللہ کی کُلّی اطاعت کا نام ہے۔ چنانچہ جس کسی نے بھی دین میں کسی ایسی تفریق یا تقسیم پر اپنے دل کو مطمئن کر لیا اس کا گویا اللہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رہا۔ چنانچہ مشرکین جو اللہ اور بتوں کے درمیاں اپنے ’’دین‘‘ کی تقسیم پر مطمئن ہیں انہیں توحید خالص کی دعوت بری تو لگے گی۔ مشرکین کے اس بغض وعناد کا ذکر سورۃ التوبہ:۳۳ اور سورۃ الصف:۹ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾ ’’وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ غالب کرے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر‘ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے‘‘۔ ظاہر ہے نظامِ توحید کے قیام اور دین حق کے غلبے کی صورت میں مشرکین کے دلوں میں کُڑھن تو بہت ہو گی‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول ﷺ کو بھیجا ہی اسی لیے ہے کہ وہ اللہ کے دین کو پورے نظامِ زندگی پر غالب کر دے۔

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ’’اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف (آنے کے لیے) چُن لیتا ہے‘‘

یہ اللہ کی شانِ عطا ہے کہ کبھی کبھی وہ کسی راہ چلتے مسافر کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں اس حوالے سے ’’سالک مجذوب‘‘ اور ’’مجذوب سالک‘‘ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ ’’سالک مجذوب‘‘ اللہ کے وہ مقرّب بندے ہیں جو ’’سلوک‘‘ کی کئی کئی کٹھن منازل طے کر کے قرب و جذب کے مقام تک رسائی حاصل کر پاتے ہیں۔ ’’صدیقین‘‘ عام طور پر محنت و ریاضت کے اسی راستے سے مقامِ قرب تک پہنچتے ہیں۔ ان کے برعکس ’’مجذوب سالک‘‘ وہ خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کسی خاص موقع پر بلا تمہید اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ایسے لوگ ’’مقامِ قرب‘‘ پر فائز ہو جانے کے بعد منازلِ سلوک طے کرتے ہیں

اور یہ مقام و مرتبہ اکثر و بیشتر ’’شہداء‘‘ کے حصے میں آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اپنی طرف کھینچ لیا تھا‘ ورنہ اس ’’حسین اتفاق‘‘ سے پہلے نہ تو آپؓ کا مزاج اس ’’مقامِ شوق‘‘ سے کچھ مطابقت رکھتا تھا اور نہ ہی آپؓ کے معمولات و مشاغل میں ایسے کسی ’’رجحان‘‘ کا رنگ پایا جاتا تھا۔ (صدیقین اور شہداء کے اصطلاحی مفہوم کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ مریم:۴۱ کی تشریح۔)

﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۝﴾ ’’اور وہ اپنی طرف ہدایت اُسے دیتا ہے جو خود رجوع کرتا ہے۔‘‘

آیت ۱۴ ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ’’اور انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا‘ آپس میں ضدم ضدا کے باعث۔‘‘

عرب میں حضور ﷺ کی دعوتِ اقامتِ دین کے مخاطبین بنیادی طور پر دو گروہ تھے‘ یعنی مشرکین اور اہل کتاب۔ ان میں مشرکین کا تو اس دعوت کو ماننا بہت مشکل تھا اور یہ تلخ حقیقت پچھلی آیت میں واضح بھی کر دی گئی ہے کہ آپؐ کی یہ دعوت مشرکین پر بہت شاق گزر رہی ہے۔ البتہ اہلِ کتاب کا اس دعوت پر ایمان لے آنا نسبتاً زیادہ قرین قیاس تھا‘ کیونکہ وہ تورات و انجیل جیسی الہامی کتابوں سے واقف تھے اور وحی‘ ملائکہ اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ لیکن زیر مطالعہ آیت میں حضور ﷺ کو بتایا جا رہا ہے کہ آپؐ اہل کتاب سے بھی مثبت ردعمل کی توقع نہ رکھیں۔ کیونکہ ان دونوں گروہوں کی طرف سے اب تک کی مخالفت کسی لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہوئی ہے‘ بلکہ اللہ تعالیٰ کا اصل پیغام تو ان تک پہنچ چکا ہے‘ بات پوری طرح واضح ہو کر ان کے دلوں میں اُتر چکی ہے۔ اس صورت حال میں ان کا انکار اور ان کی مخالفت محض باہمی تعصب اور ضد بازی کی بنا پر ہے‘ کہ ہم محمد (ﷺ) کے پیروکار بن کر انہیں خود سے بڑا کیونکر تسلیم کر لیں اور اپنے آپ کو انؐ کے سامنے چھوٹا کیسے بنا لیں؟ اہل کتاب خود آپس میں بھی ایک دوسرے کی مخالفت اسی تعصب کی بنیاد پر کرتے ہیں‘ جس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ﴾ (آیت ۱۱۳) ’’یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی بنیاد پر نہیں ہیں‘ حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھ رہے ہیں۔‘‘

عہد نامہ قدیم (Old Testament) یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے۔ اس کے باوجود ان کی باہمی مخاصمت کا یہ عالَم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یروشلم کی ''سمت'' پر اگرچہ دونوں گروہوں کا اتفاق ہے' لیکن باہمی عناد کی بنا پر ایک گروہ شرقی حصے کو قبلہ مانتا ہے جبکہ دوسرا غربی حصے کو۔ اس صورت حال میں حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ تعصب کے مرض میں مبتلا ہیں' اس لیے آپؐ ان میں سے کسی گروہ سے کسی مثبت رویے کی توقع نہ رکھیں' ورنہ آپؐ کو مایوسی ہوگی۔ بلکہ آپؐ ان کی طرف سے انتہائی سخت اور منفی ردعمل کے لیے خود کو تیار رکھیں۔ اس میں دراصل حضور ﷺ کے لیے بین السطور یہ پیغام بھی ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد ایک طویل اور جاں گداز عمل ہے۔ اس لیے آپؐ موافق حالات اور جلد کامیابی کی توقع نہ رکھیں۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''اور اگر ایک بات آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک وقت معین کے لیے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے مابین (اختلافات کا) فیصلہ چکا دیا جاتا۔''

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ⑭﴾ ''اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایک خلجان آمیز شک میں مبتلا ہیں۔''

یہ نکتہ خاص طور پر بہت اہم اور لائق توجہ ہے کہ ''وارثانِ کتاب'' کے اذہان وقلوب میں اُلجھن میں ڈالنے والے شکوک وشبہات کیوں ڈیرے جما لیتے ہیں؟ دراصل ہوتا یوں ہے کہ شروع شروع میں سب معاملات بالکل ٹھیک چلتے رہتے ہیں' مگر چوتھی پانچویں نسل تک آتے آتے معاملات اس وقت بگڑنے لگتے ہیں جب نوجوان اپنے علماء کو باہم دست وگریباں ہوتے دیکھتے ہیں اور ان کے دامن حیات کو متاعِ عمل سے خالی پاتے ہیں۔ ایسی صورت حال سے بیزار ہو کر علماء کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ''کتاب'' سے بھی بدظن ہونے لگتے ہیں۔ یہ نوجوان خود تو کتاب کے علوم و معارف تک رسائی حاصل کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتے لیکن اس مفروضے کو اپنے دلوں میں ضرور بٹھا لیتے ہیں کہ جب کتاب کے ''علماء'' کے کردار وعمل میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی روشنی اس کتاب کے اندر سرے سے موجود ہی نہیں۔

آیت ۱۵ ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ اسی کی دعوت دیتے رہیے''

یہاں ذٰلِكَ کا اشارہ اوپر آیت ۱۳ میں اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کے حکم کی طرف ہے کہ آپؐ ان لوگوں کو اقامت دین کی جدوجہد کے لیے مسلسل دعوت دیتے رہیے۔

﴿وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ﴾ ''اور جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے''

آپؐ کی رسالت کا مقصد اور مشن ہی چونکہ اقامت دین ہے' اس لیے آپؐ غلبۂ حق کی جدوجہد کی اس راہ میں پوری استقامت اور تندہی کے ساتھ کھڑے رہیں۔ آپؐ کے مخالفین تو چاہیں گے کہ آپؐ کچھ نرم پڑنے کو تیار ہوں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں: ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨﴾ (القلم)۔ مگر آپ ہماری ہدایت ومشیت کے مطابق اپنے موقف پر جم کر کھڑے رہیں اور اس سفر میں کسی بھی موڑ پر کسی حال میں' کبھی کوئی سمجھوتہ (compromise) نہ کریں: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف:۲۹) ''اور آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے' تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔''

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ ''اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔''

یہی بات پانچ چھ سال بعد سورۃ البقرۃ کے اندر ان الفاظ میں پھر سے دہرائی گئی: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۲۰) ''(اے نبی ﷺ!) یہ یہودی اور نصرانی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپؐ ان کے طریقے کی پیروی نہ کریں''۔ پرانے نظام کے ساتھ تو ان لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں' آپؐ کی دعوت کو آگے بڑھتا دیکھ کر انہیں اپنی سیادتیں اور چودھراہٹیں خطرے میں نظر آ رہی ہیں۔ وہ تو چاہیں گے کہ آپؐ ان کے پیچھے چلیں اور ان کی لیڈرشپ قائم رہے۔ آج بھی اپنے اپنے مفادات کو بچانے کی روش اقامت دین کی جدوجہد میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ آج بھی اگر اللہ کا کوئی بندہ اس دعوت کا علَم بلند کر کے مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کا نعرہ لگاتا ہے تو اربابِ جبہ ودستار کو اپنی مسندوں' خانقاہوں اور گدیوں کا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ ان کے ''خاموش ردِعمل'' سے ایسی جدوجہد کے علم برداروں کو یہ پیغام آپ سے آپ ہی موصول ہو جاتا ہے کہ ''ہم تمہارے پیچھے کیوں چلیں' تم ہمارے پیچھے کیوں نہ چلو؟'' یاد رہے کہ اپنے مضمون (اقامت دین) کے اعتبار سے زیر مطالعہ تین آیات (۱۳' ۱۴ اور ۱۵) بہت اہم ہیں۔

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ﴾ ''اور آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہے۔''

قبل ازیں سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں دعوت کے حوالے سے قرآن کا چھ مرتبہ ذکر آ چکا ہے۔ اب یہاں اس آیت میں سورۂ حٰمٓ السجدۃ کے مضمون کا گویا خلاصہ آ گیا ہے کہ دعوت چلے گی تو اس کتاب کے بل پر اور کسی کو استقامت نصیب ہو گی تو بھی اسی کتاب کے ذریعے سے۔ چنانچہ اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنایئے' اس کے معانی و مفہوم کو دل میں اتاریئے اور دوسروں تک پہنچایئے۔ قرآن میں حضور ﷺ کو بھی بار بار اسی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ (العنکبوت: ۴۵) ''تلاوت کرتے رہا کریں اس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے۔''

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ﴾ ''اور (آپؐ کہہ دیجیے کہ) مجھے حکم ہوا کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔''

آپؐ ان پر واضح کر دیجیے کہ میں صرف وعظ کہنے اور میٹھی میٹھی باتیں سنا کر لوگوں کا دل بہلانے کے لیے نہیں آیا' بلکہ میں معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے اور نظامِ توحید کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس جملے کے حوالے سے ہمیں بہت واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ حضور ﷺ کا اصل مشن کیا تھا اور آپؐ کے اتباع کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آج ہمارے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کے اتباع کے تقاضے میلاد کی محفلیں سجا لینے یا بڑے بڑے جلوس نکال لینے سے پورے نہیں ہوں گے۔ اس کے لیے سب غلط کاریاں چھوڑ کر خود کو دین کے احکام کا پابند بنانا ہو گا اور پھر اپنے تن من دھن کے ساتھ عدلِ اجتماعی (نظامِ توحید) کو معاشرے میں قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا ہو گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے خطاب میں دراصل حضور ﷺ کے اتباع کے اسی تقاضے ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ کے حوالے سے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا: لوگو! تم میں سے ہر کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور ہو گا جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلوا دوں اور تم میں سے ہر قوی شخص میرے نزدیک کمزور ہو گا جب تک کہ میں اس سے حق دار کا حق وصول نہ کر لوں۔

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ﴾ ''اللہ ہمارا بھی رب ہے اور

تمہارا بھی رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔''

﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ﴾ ''ہمارے درمیان کسی حجت بازی کی ضرورت نہیں' اللہ ہمیں جمع کر دے گا۔''

اللہ تعالیٰ یا تو ہمیں اسی دنیا میں اکٹھا کر دے گا اور اگر یہاں یہ ممکن نہ ہوا تو آخرت میں تو ہم اکٹھے ہو ہی جائیں گے۔ اس فقرے کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان تنظیموں اور گروہوں کا تصور ذہن میں لایئے جو سب اخلاص اور نیک نیتی سے اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ظاہر ہے ان میں سے ہر جماعت کا اپنا منصوبہ اور اپنا طریقہ کار ہے۔ ان سب کی مثال دراصل منیٰ سے میدانِ عرفات جانے والے حجاج کے قافلوں جیسی ہے۔ جہاں لاکھوں لوگ ہزاروں قافلوں میں مختلف راستوں اور مختلف شاہراہوں پر گامزن ہوتے ہیں۔ ان کے راستے بے شک مختلف ہیں مگر منزل سب کی ایک ہے۔ یہ قافلے جیسے جیسے اپنی منزل کی طرف بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے مابین فاصلہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ میدانِ عرفات میں پہنچ کر وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی مختلف جماعتیں اور تنظیمیں جوں جوں اپنی منزل کی طرف بڑھیں گی ان کے باہمی اختلافات کم ہوتے چلے جائیں گے اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر یہ سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور اگر بالفرض وہ دنیا میں اکٹھے نہ ہو سکے تو بھی روزِ محشر تو سب اکٹھے ہو جائیں گے۔

چنانچہ ان سب کو آپس میں تنقید کرنے کے بجائے زیر مطالعہ آیت کے الفاظ میں ایک دوسرے سے یوں کہنا چاہیے کہ دیکھو بھئی ہم سب اللہ کی رضا کے متلاشی ہیں۔ ہمارا رب بھی اللہ ہے اور تمہارا بھی۔ باقی جہاں تک ہمارے باہمی اختلاف کا تعلق ہے اس حوالے سے ہمیں آپس میں کوئی حجت بازی نہیں کرنی چاہیے۔ تم لوگ اپنی سوچ اور نظریے کے مطابق جدوجہد کرتے جاؤ' ہم اپنے طریق کار اور لائحہ عمل کے مطابق کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم سب اپنی اپنی کوششوں کے لیے ماجور ہوں گے۔ تم لوگوں کو تمہاری جدوجہد کا صلہ مل جائے گا اور ہم اپنی محنت کا پھل پا لیں گے۔ لیکن چونکہ ہم سب اپنے مشن اور اپنی جدوجہد میں مخلص ہیں اس لیے آج نہیں تو کل ہم سب ایک ہو جائیں گے۔ اگر ہمارا طریق کار غلط ہوا تو ایک دن حقیقت ہم پر واضح ہو جائے گی اور ہم رجوع کر لیں گے اور اگر آپ لوگوں کے لائحہ عمل میں کوئی کمی ہوئی تو کبھی نہ کبھی آپ کو بھی وہ نظر آ ہی جائے گی اور آپ بھی ضرور اس

کی تلافی کرلیں گے‘ ان شاء اللہ!

﴿وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۵﴾﴾ ’’اور اُسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔‘‘

وہاں اللہ کی عدالت میں سب انسان اکٹھے کھڑے ہوں گے اور وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آیت ۱۶ ﴿وَالَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَہٗ﴾ ’’اور وہ لوگ جو اللہ کے بارے میں حجت بازی میں لگے رہے‘ اس کے بعد کہ اُس کی دعوت پر لبیک کہہ دی گئی ہے‘‘

یعنی اَلسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ تو روزِ اوّل ہی سے استقامت کے پہاڑ بنے کھڑے ہیں اور اب تو انتظار ہے وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡھُمۡ بِاِحۡسَانٍ کے قافلے کا کہ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج دین میں داخل ہوں۔ لیکن جو لوگ اب بھی ٹس سے مس نہیں ہو رہے اور ہٹ دھرمی کی اپنی پرانی مسندیں سنبھالے حجت بازی کیے جا رہے ہیں:

﴿حُجَّتُہُمۡ دَاحِضَۃٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ﴾ ’’ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک بالکل پسپا ہے‘‘

﴿وَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ وَّلَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۱۶﴾﴾ ’’اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب بھی ہے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَالۡمِیۡزَانَ ؕ﴾ ’’اللہ ہی ہے جس نے اتاری ہے کتاب بھی اور میزان بھی حق کے ساتھ۔‘‘

قرآن میں صرف دو ہی مقامات ایسے ہیں جہاں کتاب اور میزان کے الفاظ ایک ساتھ اکٹھے آئے ہیں۔ ایک تو آیت زیر مطالعہ اور دوسری سورۃ الحدید کی یہ آیت: ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ ……﴾ (آیت ۲۵) ’’ہم نے بھیجے اپنے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کی ان کے ساتھ کتاب اور میزان تا کہ قائم رہیں لوگ عدل پر‘‘۔ میزان دراصل دین حق کے عملی نظام کا نام ہے۔ اس کو یوں سمجھیے کہ ’’کتاب‘‘ ہر ایک کا حق مقرر کرتی ہے اور ’’میزان‘‘ ناپ تول کر کے یہ حق حقدار کو دیتی ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کے ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں دین بھی دیا ہے اور نظام بھی۔ اگر نظام نہ ہوتا تو دین کے مطابق فیصلے کیسے ہوتے اور پھر

ان فیصلوں پر عمل درآمد کیونکر ہوتا؟

﴿وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیۡبٌ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور تمہیں کیا معلوم کہ قیامت قریب ہی ہو!‘‘

’’السَّاعۃ‘‘ سے مراد قیامت کی گھڑی ہے‘ اگرچہ انفرادی سطح پر دیکھا جائے تو ہر شخص کی موت ہی گویا اس کی قیامت ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے: ((مَنۡ مَاتَ فَقَدۡ قَامَتۡ قِیَامَتُہٗ))(۱) ’’جس کو موت آ گئی پس اس کی قیامت تو قائم ہوگئی‘‘۔ مقامِ غور ہے کہ اس حوالے سے ہمیں کس قدر مشکل صورتِ حال کا سامنا ہے۔ ایک طرف ہم میں سے ہر ایک کی ’’قیامت‘‘ اس کے سر پر کھڑی ہے اور دوسری طرف اللہ کی ’’میزان‘‘ کو نصب کرنے کی بھاری ذمہ داری ہے جو ہم سب کے کندھوں پر آن پڑی ہے۔ اب اگر ہم نے ابھی اور اسی وقت اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا اور اس کے لیے فوری طور پر ہم اپنا تَن مَن دھن لگا دینے کے لیے میدانِ عمل میں نہ اترے تو نہ معلوم ہم میں سے کس کس کی مہلتِ عمل کچھ کیے بغیر ہی ختم ہو جائے۔ آج ہم میں سے کون کہہ سکتا ہے کہ اسے کل کا سورج بھی دیکھنا نصیب ہوگا یا نہیں! اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم مزید وقت ضائع کیے بغیر اس جدّوجُہد میں جُت جائیں۔ اس فیصلے کے لیے تاخیر اور تاجیل میں وقت ضائع کرنا سب سے بڑی حماقت ہے:

آیت ۱۸ ﴿یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ﴾ ’’اس (قیامت) کے لیے جلدی تو وہی مچا رہے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔‘‘

﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ﴾ ’’اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے۔‘‘

قیامت کے تصور سے اللہ کے مقرب بندوں کے خوف کی کیفیت کا ذکر سورۃ النور میں یوں آیا ہے: ﴿یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ ﴿۳۷﴾﴾ ’’وہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس دن کے تصور سے جس دن الٹ جائیں گے دل اور نگاہیں‘‘

﴿اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۸﴾﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں‘ وہ بڑی دور کی گمراہی میں پڑ چکے ہیں۔‘‘

(۱) تخریج الکشاف للزیلعی: ۴۳۶/۱۔ وتخریج الاحیاء للعراقی: ۷۹/۴۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی، ح: ۱۱۶۶۔ راوی: انس بن مالک ؓ۔

آیت ۱۹ ﴿اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ﴾ ’’اللہ اپنے بندوں کے حق میں بہت مہربان ہے‘ وہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔‘‘

لفظ ’’لَطِیۡفٌ‘‘ میں لطف و کرم اور شفقت و مہربانی کے علاوہ باریک بین ہونے کا مفہوم بھی ہے۔ یعنی وہ بڑی باریک بینی کے ساتھ ان کی دقیق ترین ضروریات پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔

آیت زیر مطالعہ کے مندرجہ بالا الفاظ کو اقامت دین کی جدوجہد کے سیاق و سباق میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یعنی اقامت دین کی جدوجہد میں تمہیں یہ فکر نہیں ہونی چاہیے کہ ہم کھائیں گے کہاں سے‘ پہنیں گے کیا اور ہماری دوسری ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟ اس حوالے سے قبل ازیں (سورۃ العنکبوت‘ آیت ۶۰ کے ذیل میں) متی کی انجیل سے حضرت مسیح علیہ السلام کے وعظ کا درج ذیل اقتباس ہم پڑھ چکے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ’’تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو‘ تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لیے فکرمند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے؟ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کو تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ فکر کر لے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔‘‘ (متی‘ باب ۶: ۲۵-۳۴‘ بحوالہ تدبر قرآن‘ جلد پنجم‘ ص ۶۰)

اس میں کیا شک ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا رازق بھی ہے اور وہ اپنے بندوں کی ایک ایک حاجت سے باخبر اور ان کی ایک ایک خواہش سے آگاہ بھی ہے۔ آپ ایک دفعہ یکسو ہو کر فیصلہ تو کرو‘ کہ اب اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کر دینا ہے۔ پھر دیکھنا اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات کا خیال کیسے رکھتا ہے۔ اس کا وعدہ ہے: ﴿وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ﴾ (الطلاق:۳) ’’اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے‘ اور وہ اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا‘‘۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس راستے میں طرح طرح کی آزمائشوں اور سختیوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب بندہ اس مرحلے میں بھی صبر و استقامت کے مظاہرے سے اپنی وفاداری اور یکسوئی ثابت کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئے نئے راستے کھول دیتا ہے اور ان راستوں پر چلنا اس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔

﴿وَہُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ﴿۱۹﴾﴾ ’’اور وہ تو بہت قوی ہے‘ بہت زبردست ہے۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ ۚ﴾ ’’جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے تو ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔‘‘

اس مضمون کا کلائمکس سورۂ بنی اسرائیل میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ عَجَّلۡنَا لَہٗ فِیۡہَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَہٗ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلٰىہَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾﴾ ’’جو کوئی طلب گار بنتا ہے جلدی والی (دنیا) کا‘ ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں‘ جس کے لیے چاہتے ہیں‘ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم‘ وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ‘ دھتکارا ہوا۔‘‘

﴿وَمَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَمَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ﴿۲۰﴾﴾ ’’اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب بن جاتا ہے تو ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں‘ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔‘‘ ۞۞۞

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

سقوطِ ڈھاکہ کا سانحۂ فاجعہ

اسباب وعوامل پر ایک نظر اور آئندہ کے لیے سبق آموزی کے پہلو

١٦ دسمبر ١٩٩٤ء کو یومِ سقوطِ ڈھاکہ کے جلسے سے بانیٔ تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب!

١٦/دسمبر ١٩٧١ء کو وہ پاکستان دولخت ہو گیا جو ١٤/اگست ١٩٤٧ء کو دنیا کے نقشے پر وجود میں آیا تھا۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کا سانحہ ہماری قومی تاریخ کا المناک ترین باب ہے' لیکن آج کی ہماری نوجوان نسل اس سانحہ فاجعہ کی سنگینی اور اس کے اسباب و عوامل سے یکسر بے خبر ہے۔ بقول مشیر کاظمی ع

''آج کے نوجواں کو بھلا کیا خبر' کیسے قائم ہوا یہ حصارِ وطن!''

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ؒ نے آج سے ربع صدی قبل ''یومِ سقوطِ ڈھاکہ'' کے موقع پر یہ فکر انگیز خطاب فرمایا تھا' جسے جنوری ١٩٩٥ء کے میثاق میں شائع کیا گیا تھا۔ اپنی قومی تاریخ کے اس سیاہ باب پر ایک نگاہِ عبرت ڈالنے کے لیے اسے مکرر شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ' ادعیہ ماثورہ اور موضوع سے متعلق قرآنی آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:

معزز حاضرین اور مہمانانِ گرامی! میرا یہ خیال ہے کہ اس بات پر وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سقوطِ ڈھاکہ یا سقوطِ مشرقی پاکستان پوری دنیا کی تاریخ کے اعتبار سے بھی اہم واقعات میں سے ہے اور اس کی اہمیت اس اعتبار سے بھی بہت زیادہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ کو بیسویں صدی کے نصفِ آخر اور چودھویں صدی ہجری کے ربع آخر میں جن دو عظیم ترین صدمات سے دوچار ہونا پڑا' ان میں سے ایک سقوطِ ڈھاکہ ہے۔ پہلا حادثہ ١٩٦٧ء کی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں یروشلم پر یہودیوں کے قبضے' مصر' شام اور شرقِ اردن کی شرمناک شکست اور اسرائیل کی عظیم توسیع کی صورت میں پیش آیا۔ قرآن حکیم کی رُو سے اس اُمتِ

مسلمہ کے دو حصے ہیں' پہلا حصہ ''اُمِّیّین'' یعنی عرب مسلمانوں پر اور دوسرا حصہ ''آخَرِین'' یعنی غیر عرب مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے یعنی ''اُمِّیّین'' کے لیے عظیم ترین حادثہ ١٩٦٧ء کی شرمناک شکست ہے' جبکہ ''آخَرِین'' میں جو عظیم ترین اسلامی مملکت قائم ہوئی تھی' اس کے لیے عظیم ترین سانحہ سقوطِ ڈھاکہ ہے جو ١٩٧١ء میں پیش آیا۔ پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جہاں تک پاکستان کی تاریخ کا تعلق ہے تو اگرچہ اور بھی حوادث ہیں کہ جن سے ہمیں دوچار ہونا پڑا' لیکن سقوطِ ڈھاکہ واقعتاً آج تک سب سے بڑا حادثہ ہے۔

حوادث ومصائب کے بارے میں بنیادی قرآنی اصول

ایسے حوادث کے بارے میں مَیں چاہتا ہوں کہ پہلے قرآن کریم' کتابِ ہدایت سے کچھ بنیادی اصول سمجھ لیے جائیں۔ اس لیے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ حوادث الل ٹپ نہیں ہوتے۔ اس کائنات میں کوئی شے بھی اذنِ ربّ کے بغیر حرکت نہیں کرتی' اور اذنِ ربّ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ساتھ ہوتا ہے' یہ سنت اللہ کے تابع ہے۔ ان حوادث کے حوالے سے پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ظالم نہیں ہے۔ وہ خود قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ: ﴿وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ٢٩﴾ (ق) ''میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں''۔ اتنا بڑا حادثہ' اتنی بڑی تباہی اور اتنی شرمناک شکست' بہرحال اللہ کا ظلم نہیں ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پانچ مرتبہ فرمائی ہے: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ١٠﴾ (الحج) ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے۔''

دوسری بات یہ کہ یہ حوادث تمام تر انسانوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہیں۔ میں نے سورۃ الشوریٰ کی آیت مبارکہ تلاوت کی ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ ''جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے تو یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث ہے''۔ اس کے بعد فرمایا کہ ﴿وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ٣٠﴾ ''ابھی بہت سی چیزوں سے تو وہ درگزر فرماتا رہتا ہے''۔ اگر پروردگار ساری غلطیوں کی سزا دے تو زمین پر کوئی ایک انسان بھی چلتا ہوا نظر نہ آئے۔ اللہ تو بہت درگزر کرتا ہے۔ بہرحال دوسرا قاعدہ وکلیہ یہ ہے کہ یہ حوادث انسانوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ان حوادث کے وقوع پذیر ہونے کے حوالے سے تیسری بات بڑی اہم ہے۔ اور وہ یہ

کہ کسی بھی قوم پر اتنا بڑا سانحہ اور حادثہ فاجعہ صرف چند لوگوں کے کرتوتوں کے نتیجے میں ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ ایسے واقعات اُس وقت وقوع پذیر ہوتے ہیں جب قوم میں اجتماعی طور پر فساد پیدا ہو چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ افراد کی برکتیں تو پھیل سکتی ہیں کہ پوری قوم پر سائبان بن جائیں‘ جیسا کہ نیکیوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ دس گنا سے سات سو گنا تک بھی اجر دے گا‘ لیکن گناہ کی سزا بالکل حساب کے مطابق ملتی ہے‘ زیادہ نہیں ملتی۔ اجر تو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح افراد کے فسق و فجور اور جرائم پر اللہ تعالیٰ پوری قوم کو اتنی بڑی سزا نہیں دیا کرتے۔ درحقیقت یہ سزا اس وقت ملتی ہے جب قوم کی معتد بہ تعداد میں اجتماعی سطح پر وہ غلطیاں ہو رہی ہوں اور قوم کی ایک عظیم تعداد نے اس ضمن میں اپنا کردار ادا کیا ہو۔ جب جرائم یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں تو اتنے بڑے حوادث رونما ہوتے ہیں۔

لیکن جب قوم کے اجتماعی کرتوتوں پر سزا آتی ہے تو پھر چوتھا قانون یہ ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ﴾ (الانفال: ۲۵) ’’اور بچتے رہو اس فساد سے کہ جو تم میں سے خاص ظالموں ہی پر نہیں پڑے گا‘‘۔ تو اللہ کی پکڑ سے‘ اس کے عذاب سے اور اس کی سزا سے ڈرو! کیونکہ جب اجتماعی فساد ہو جائے تو جو لوگ اس فساد میں ملوث نہیں ہیں وہ بھی مجرم قرار پاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ظالموں کو روکا کیوں نہیں ہے۔ چنانچہ پھر جب سزا آتی ہے تو وہ لوگ جو چاہے اس گناہ اور جرم میں بالفعل شریک نہیں بھی تھے انہیں بھی سزا مل کر رہتی ہے۔

پانچویں بات یہ کہ جہاں تک اس قسم کے حوادث کی آخری ’’stages‘‘ کا معاملہ ہے تو اس میں قرآن حکیم کے الفاظ ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱﴾ (النُّور) یعنی ’’ان میں سے وہ شخص کہ جس نے سب سے بڑا گناہ کما لیا‘‘ کے مصداق کچھ افراد یقیناً نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لیکن بہرحال یہ نہ سمجھئے کہ یہ درحقیقت صرف چند افراد کی سازش کا نتیجہ ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی نوٹ کریں کہ اتنا بڑا حادثہ تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا کہ ہمارے ترانوے (۹۳) ہزار کڑیل جوان ہندو کے قیدی بنے۔ سابقہ اُمتِ مُسلمہ کی تاریخ میں ۵۸۳ قبل مسیح میں بخت نصر نے یروشلم میں جو تباہی مچائی تھی کہ چھ لاکھ افراد کو قتل کیا اور چھ لاکھ کو قیدی بنا کر لے گیا‘ یہ واقعہ شاید تاریخِ انسانی میں اس اعتبار سے سب سے بڑا ہے کہ لوگوں کو

اتنی بڑی تعداد میں قیدی بنا کر ایک ملک سے دوسرے ملک نہیں لے جایا گیا۔ بخت نصر چھ لاکھ افراد کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا ہوا عراق کے شہر بابل لے گیا تھا۔ لیکن میں نے ہمیشہ تجزیہ کیا ہے کہ ان چھ لاکھ میں ترانوے ہزار یا ایک لاکھ جوان نہیں ہوں گے۔ ان میں بوڑھے بھی تھے‘ بچے بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں‘ جبکہ ہمارے ترانوے ہزار کڑیل جوان‘ سپاہی سے لے کر جرنیل تک ہندو کی قید میں گئے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی شکست کسی فوری سبب کا نتیجہ نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا ایک طویل پس منظر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ مہلت دیتا ہے۔ جب تک پے بہ پے غلطیاں نہ ہو رہی ہوں اور جرائم نہ کیے جا رہے ہوں اُس وقت تک وہ اتنی بڑی سزا نہیں دیتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے عدل‘ اُس کے فضل و کرم اور شانِ غفاری سے بالکل بعید ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ کے پس منظر میں

ہماری قومی اور اجتماعی غلطیاں

جو حوادث اُس وقت پیش آئے تھے‘ جن کو ہماری طب کی اصطلاح میں ’’Exciting causes‘‘ کہا جاتا ہے‘ ان کا تذکرہ آپ جنرل انصاری صاحب سے سن چکے ہیں۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی‘ اس میں بھی اسی قسم کے اسباب ہی کا تذکرہ ہوگا۔ البتہ میں نے جو قرآن مجید سے ان موضوعات سے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنتیں آپ کے سامنے رکھی ہیں‘ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۶۲﴾ (الاحزاب) ’’اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے‘‘ ان کے پیش نظر میں ایک ذرا طویل اور گہرا تجزیہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ ہماری قومی اور اجتماعی غلطیاں ہیں۔ بڑی پیاری بات کہی ہے انصاری صاحب نے کہ ہمیں اب بھی ہمارے صحافی دھوکہ دیتے ہیں کہ وہاں تو محبت ہی کے زمزمے بہہ رہے تھے‘ جبکہ درحقیقت وہاں جو نفرت پیدا ہو چکی تھی اور جو اتنا عظیم انقلاب آ چکا تھا‘ اس کی صحیح خبر یہاں دی ہی نہیں گئی۔ ہمارے یہ صحافی وہاں گئے‘ چند دعوتیں کھائیں‘ چند لوگوں سے ملے اور یہاں آ کر محبت کے زمزموں کی داستانیں سنا دیں۔ جبکہ وہاں نفرت اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ اس کے بارے میں سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور

آدمی کا دل لرز جاتا ہے۔ مکمل آٹھ برس میں اتنا بڑا انقلاب آ گیا کہ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ وہاں سے ۹۵ فیصد سیٹیں لے رہی ہے جبکہ ۱۹۵۴ء کے الیکشن میں اسے تین سو میں سے صرف دس سیٹیں ملی تھیں۔

یہ بات گہرے غور و فکر کی متقاضی ہے کہ یہ انقلاب عظیم کہاں سے آ گیا۔ جس شہر میں ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی تاسیس ہوئی' وہاں نوبت یہاں تک کیسے پہنچ گئی۔ متحدہ بنگال ہندوستان کا کتنا بڑا صوبہ تھا' اور وہاں طویل ترین عرصے تک مسلم لیگ کی منسٹری رہی ہے۔ وہاں کے عوام کیوں اس سطح پر اتر آئے کہ ''میں باز آیا محبت سے' اٹھا لو پان دان اپنا''۔ اس میں کچھ ہمارے کرتوتوں کا بھی دخل ہے' کچھ جرائم ہمارے بھی ہیں۔ اگر ان کو نہیں سمجھیں گے تو آئندہ بھی تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ اسی لیے میں نے آپ کو آیت سنائی ہے کہ ﴿عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ﴾ یعنی ''تمہارا ربّ تو تم پر رحم کرنے کے لیے تیار ہے' لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی پھر وہی کچھ کریں گے''۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ اپنے لچھن درست کرو' اپنے اعمال صحیح کرو تو ہم تم پر رحم کریں گے۔ لیکن اگر پھر اعادہ کرو گے' پھر وہی کچھ کرو گے تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے جو پہلے کیا۔ وہیں سزائیں ملیں گی' بلکہ اس سے بڑے پیمانے پر ملیں گی۔ اور یہ تو دنیا کی سزا ہے ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸﴾ (بنی اسرائیل) ابھی تو آخرت میں ہم نے ایسے ناہنجاروں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ بہرحال اس وقت کچھ غلطیوں پر گفتگو سننے کے لیے حوصلہ رکھئے۔ اس میں ہماری قیادتِ عظمیٰ پر تنقید بھی آئے گی۔ اس لیے کہ ہماری قیادتِ عظمیٰ کوئی معصومین پر مشتمل نہیں تھی۔ آج جب کہ قیام پاکستان کو پچاس برس ہونے کو آئے ہیں' ہمیں اتنا بالغ نظر ہونا چاہیے کہ ہم ان کی خطاؤں پر بھی نگاہ ڈال سکیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ معصومیت خاصۂ نبوت ہے۔ ختم نبوت کے ساتھ ہی معصومیت بھی ختم ہو چکی ہے۔

i) قراردادِ لاہور میں ترمیم

میری نظر میں حادثۂ مشرقی پاکستان کا سب سے پہلا سبب ہماری قیادتِ عظمیٰ کی وہ غلطی ہے کہ جس کی بنیاد ۱۹۴۶ء میں ڈالی گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور میں ترمیم کر کے ''state'' کے لفظ کو ''states'' میں تبدیل کر دیا گیا اور اس طرح مشرقی پاکستان اور

مغربی پاکستان کو ایک ملک بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ حالانکہ کسی حساب سے بھی یہ دونوں خطے ایک ملک نہیں بن سکتے تھے۔ اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ پھر درمیان میں اگر سمندر ہوتا تب بھی کوئی حرج نہیں تھا' انڈونیشیا کے جزیروں کے درمیان بھی سمندر موجود ہے' لیکن ہمارا معاملہ یہ تھا کہ درمیان میں دشمن کا علاقہ (Hostile Territory) تھا۔ ہمارا پیدائشی دشمن ملک درمیان میں تھا۔

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اتنی بڑی خطا کیسے ہو گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کبھی بھی کوئی منظّم جماعت نہیں تھی بلکہ صرف ایک تحریک تھی' اور تحریک میں جذبات کا غلبہ ہوتا ہے' ہوش پر جوش غالب ہوتا ہے۔ کسی بھی عوامی تحریک کے لیے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی عوامی احساس ہونا چاہیے۔ مسلمانانِ ہند میں وہ احساس یہ تھا کہ ہندوستان میں ہندو ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا' وہ ہمیں ''exploit'' کرے گا' ہمارا استحصال کرے گا اور اپنی آٹھ سو برس یا ہزار برس کی غلامی کا انتقام لے گا۔ دوسری چیز عوامی تحریک کے لیے یہ ضروری ہوتی ہے کہ کوئی زبردست لیڈر ہو' جو اس احساس کو سامنے لائے اور اجاگر کرے۔ اس طرح کوئی بھی عوامی تحریک چل جاتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قائداعظم بہت بڑے لیڈر تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء کے بعد سے مسلم لیگ کا چارج لیا اور اسے تحریک بنا دیا' جبکہ اس سے پہلے کی مسلم لیگ کو آپ ''سروں''، ''نوابوں'' اور ''جاگیرداروں'' کی بیٹھک کہہ لیجیے' اس سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں تھی۔ جب مسلم لیگ کی تحریک اور تحریک پاکستان کے جذبات اپنے عروج پر تھے تو قراردادِ لاہور میں متذکرہ بالا ترمیم کی گئی۔ دراصل یہ جذبات بنگال کے مسلمانوں کے تھے۔ بنگال سے مسلم لیگی لیڈر اے کے فضل الحق تھے جنہوں نے قائداعظم کو قرارداد میں ترمیم کر کے ایک ملک بنانے پر مجبور کیا تھا۔ اس زمانے کا قائداعظم کا ایک جملہ ہے کہ:

"The British press has told about some geographical difficulties in the way of Pakistan. May I ask them by what rule of geography are they here."

یعنی برطانوی پریس نے پاکستان کی سکیم کے بارے میں کچھ جغرافیائی مشکلات کا تذکرہ کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جغرافیے کے کس اصول کے تحت وہ ہندوستان میں ہیں؟ واقعتاً یہ جملہ بڑا پیارا ہے' جواب بڑا مُسکِت ہے۔ لیکن بہرحال اس سے حقائق تو نہیں بدل جاتے۔ یہ

بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دو ملک معرضِ وجود میں آتے تو ان دونوں کی ضرورت ہوتی کہ ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ اس لیے کہ ہندو کی ذہنیت بدلنے والی نہیں تھی۔ دونوں کو ہندو یا بھارت کی دست برد سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی۔ اگر علیحدہ علیحدہ ہوتے تو تعاون ہوتا۔ اس کے بالکل برعکس جب یکجا ہو گئے تو شکایتیں سامنے آئیں۔ فرض کیجیے کہ یہ تعاون اگر مزید آگے بڑھتا تو کنفیڈریشن بن سکتی تھی اور یہ کنفیڈریشن ایسی شے ہے جسے آپ جس وقت چاہیں ختم بھی کر سکتے ہیں۔ شاید آپ کو مرحوم Arab United Republic کا قصہ یاد ہوگا۔ یہ مصر اور شام کی کنفیڈریشن ہوئی تھی جو کتنی آسانی سے ہوئی اور کتنی آسانی سے کھل گئی۔

بہرحال میرے نزدیک ہم سے پہلی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے جغرافیے کی اس درجے نفی کی کہ جغرافیائی حقائق کو بالکل نظر انداز کیا۔ یہ بات میں مانتا ہوں کہ انسانی جذبات جغرافیے کو شکست دے دیتے ہیں اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ آخر جب یہ دونوں خطے ایک ملک بنے تو جذبات نے جغرافیے کو شکست دی یا نہیں دی؟ انسان اشرف المخلوقات ہے' اس میں اللہ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں' اس کے لیے پوری کائنات مسخر کی ہے' اس کے سامنے سارے فرشتوں کو جھکا دیا گیا۔

ii) قیامِ پاکستان کے بعد اسلام اور نظریۂ پاکستان کی نفی

انسانی جذبہ واقعتاً بہت بڑی شے ہے۔ لیکن جس جذبے نے ہمیں ایک کر دیا وہ جذبہ اسلام کے حوالے سے تھا۔ تحریک پاکستان کی پشت پر نعرہ تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''۔ لیکن ہماری سب سے بڑی اور اصلی غلطی یہ ہے کہ ہم نے قیامِ پاکستان کے بعد اس جذبے کی نفی کر دی' بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اس کا گلا گھونٹ دیا۔ ع ''اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست''۔ ہمارے اس رویّے کے برعکس ہونا یہ چاہیے تھا کہ قیامِ پاکستان کے بعد فوری اعلان ہوتا کہ یہ ایک اسلامی ریاست ہوگی اور یہاں نظامِ خلافت کا قیام ہوگا۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہا جاتا کہ یہ تو ''پان اسلام ازم'' کی طرف پہلا قدم ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گاندھی جی نے بڑے ممیاتے ہوئے قائداعظم سے یہ بات کہی تھی کہ آپ کے پاکستان کا مطلب ''پان اسلام'' تو نہیں؟ ہندو پان اسلام ازم کے نام سے کانپتا تھا۔ چنانچہ قیامِ پاکستان

کے بعد واضح کر دیا جاتا کہ یہ تو پہلا قدم ہے' عالمِ اسلام کہاں سے کہاں جائے گا۔ لیکن ہم نے دونوں کی نفی کی۔

مسلم لیگ کی قیادت کے حوالے سے عرض کروں گا کہ نیتوں کا حال اللہ جانتا ہے' ہم نہیں جانتے۔ ہوسکتا ہے مسلم لیگ کی قیادت اپنے ذہن میں' اپنے دل میں خالص اسلامی نظریات رکھتی ہو اور اس نے یہ صرف مصلحتِ وقت کا تقاضا سمجھا ہو کہ اس وقت پوری دنیا کو دشمن نہ بنا لیا جائے۔ بہرحال چاہے ہم نے مصلحتاً کیا ہے' چاہے ہمارا نظریہ ہی یہ تھا' واللہ اعلم' بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ہم نے دنیا کے سامنے پاکستان کو ایک جدید سیکولر مغربی ریاست کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے' چنانچہ اس کا پہلا وزیر قانون ایک ہندو اور پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی مقرر کیا گیا۔ ہمارے زوال کے پس منظر میں اصل بات ہی یہ ہے۔ یہ سو غلطیوں کی ایک غلطی ہے۔ آخر لوگ احمق اور کودن تو نہیں ہیں کہ یہ سب کچھ بھول جائیں۔ اگر ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!'' کے نعرے نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو متحرک کر دیا تھا اور ان میں ایک آگ بھر دی تھی تو بہرحال ان چیزوں سے اوس بھی پڑی ہے' جذبات ٹھنڈے پڑے ہیں اور جوش و خروش ''steam out'' ہوا ہے۔ اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کر کے گویا ہم نے پاکستان کی پوری تحریک کی نفی کی ہے۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ نیت کا معاملہ اللہ جانتا ہے' یہ سب کچھ مصلحت کے تحت بھی ہوسکتا ہے' لیکن اس مصلحت کا نتیجہ ہمارے حق میں بڑا خوفناک نکلا ہے۔ قائداعظم کا یہ جملہ کہ:

> *"Very soon Muslims will cease to be Muslims and Hindus will cease to be Hindus, not in the religious sense because regligion is the private affair of the individual, but in the political sense."*

پوری تحریک پاکستان کی نفی کر دینے والا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سیکولرزم نہیں ہے تو سیکولرزم اور کس بلا کا نام ہے؟ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو جا کر کہیں قرار دادِ مقاصد بڑی ردّ و قدح' بڑے لیت و لعل اور بڑے ہی بادلِ نخواستہ منظور ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے جذبات پر بہت سی اوس پڑ چکی تھی' جذبات ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ اور قرار دادِ مقاصد جس طور سے پاس ہوئی ہے وہ بھی لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ ''اَن کہنی'' کہی گئی ہے۔ یہ بات شاید آپ کو معلوم نہیں ہوگی کہ یوپی کے کچھ

علاقوں میں جہاں مسلم تہذیب کا غلبہ تھا' ہندوؤں میں ایک رسم تھی کہ جب کوئی شخص نزع کی حالت میں بہت دیر تک رہتا اور اس کی جان نہ نکل رہی ہوتی تھی' اُس وقت اسے کہا جاتا تھا کہ بھائی ''اَن کہنی'' کہہ دے تاکہ تیری جان نکل جائے۔ تو جب وہ ''لا الٰہ الّا اللہ'' کہہ دیتا تھا تو اس کی جان نکل جاتی تھی۔ سو یہ ''اَن کہنی'' ہے جو قراردادِ مقاصد کی صورت میں کہی گئی ہے۔

اس کا جو دوسرا بہت بڑا نتیجہ نکلا وہ یہ کہ مغربی جمہوری اصولوں کے مطابق ملکی دستور بنانا ہمارے لیے ناممکن ہوگیا۔ اس لیے کہ مغربی جمہوریت کا اصول تو ''one man, one vote'' ہے' اور یہ اس کا ایسا اصول ہے جس کی آپ کسی صورت میں خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ آپ کس کو نظر انداز کریں گے اور کس کا حق غصب کریں گے؟ جبکہ ہمارا حال یہ تھا کہ ''for all practical purposes'' مغربی پاکستان ہی گویا اصل پاکستان ہے۔ رقبہ دیکھئے' ترقی کے امکانات دیکھئے' ذرائع و وسائل دیکھئے اور عالمِ اسلام کے ساتھ متصل ہونا دیکھئے۔ گویا اصل پاکستان اور ''Primary Pakistan'' یہ بنتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان تو ایک جزیرہ تھا۔ اس لیے کہ اس کے ایک طرف برما اور دوسری طرف بھارت ہے۔ اس کے علاوہ رقبہ محدود تھا اور آبادی بے انتہا۔ یہاں کی آبادی وہاں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ چنانچہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قراردادِ مقاصد پاس ہوئی تو ساتھ ہی ایک ''Basic Principles Committee'' بنا دی گئی کہ اب اس ملک کے لیے جو دستور ہمیں بنانا ہے اس کے بنیادی اصول کیا ہوں گے۔

اس کمیٹی کی پہلی رپورٹ ڈیڑھ سال بعد ستمبر ۱۹۵۰ء میں آئی تھی۔ اس رپورٹ پر دو اعتراضات ہوئے۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ اس میں اسلام کا سرے سے ذکر نہیں تھا۔ گویا قراردادِ مقاصد کی حیثیت تو ایسی تھی جیسے سنیما کا افتتاح کرنے کے لیے تلاوتِ قرآن کرا لی جائے۔ باقی اصل دستور جو بننا تھا اس میں اسلام کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے جذبات پر مزید اوس پڑ گئی۔ گویا یہ واضح طور پر نظر آنے لگا کہ قراردادِ مقاصد پاس کر کے بھی ان کی اسلام کی طرف آنے کی نیت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں دو ایوان تجویز کیے گئے تھے۔ ایوانِ بالا میں ہر صوبے کو مغربی دستوری اصولوں کے مطابق مساوی نمائندگی دی جانی تھی۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہے' اس طرح تم ہمیں اقلیت

میں تبدیل کر رہے ہو۔ اس لیے کہ ایوان بالا میں تو پھر ان کا صرف پانچواں حصہ ہوتا' کیونکہ ایوان بالا میں آبادی کا حساب نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ رپورٹ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں ''B.P.C'' کی رپورٹ دوبارہ آئی تو اس میں ''معادلت'' (parity) کی گئی۔ یعنی دونوں ایوانوں کے اندر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے برابر ارکان ہوں گے اور مغربی پاکستان میں پھر صوبوں کی آبادی کے تناسب سے تقسیم ہو جائیں گے۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے پھر کہا کہ یہ ہماری حق تلفی ہے۔ اب اگر آپ مغربی جمہوریت کے مطابق چلنا چاہتے ہیں تو اس کے اصولوں کو قبول کرنا ہوگا۔ گویا ہمارے گلے میں مغربی جمہوریت کا طوق پڑ گیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک طرف تو دین کے حوالے سے سارا جذبہ سرد ہوگیا۔ گویا پوری تحریک کا صغریٰ کبریٰ ختم ہو کر رہ گیا۔ جبکہ دوسری طرف اس طوق کی وجہ سے کوئی دستور ہی نہ بن سکا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اگر ''one man one vote'' کے اصول کو مان لیا جائے تو تراز و مشرقی پاکستان کے ہندو کے ہاتھوں میں جاتی تھی جو ایک کروڑ کی تعداد میں وہاں موجود تھا۔ وہ زیادہ بیدار' زیادہ منظم' زیادہ سرمایہ دار اور زیادہ تعلیم یافتہ تھا۔ وہ تو وہاں سکولوں اور کالجوں میں اسلامیات پڑھاتے تھے' جیسے آج امریکہ میں بڑی یونیورسٹیوں میں اسلامیات پڑھانے والے یہودی ہیں۔

یہ وجوہات تھیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی تک اس ملک کا کوئی دستور نہیں بن سکا اور ۲۶ برس تک یہ ملک بے دستور رہا ہے۔ اس خلا سے آخر کوئی نتیجہ تو برآمد ہونا ہی تھا۔ مجھے یاد ہے جب میں یہاں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا' ان دنوں ''عزم'' کے نام سے ہمارا ایک پندرہ روزہ رسالہ نکلتا تھا' جس کا آخری صفحہ خطوط و آراء کے لیے مختص تھا' جس کا عنوان جلی حروف میں یہ شعر ہوا کرتا تھا کہ ؎

اس سوچ میں کلیاں زرد ہوئیں' اِس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئینِ گلستاں کیا ہو گا' دستورِ بہاراں کیا ہو گا؟

حیرت کی بات ہے کہ ملک کا دستور ہی بننے میں نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ مغربی پاکستان میں شامل صوبوں سندھ' پنجاب' سرحد اور بلوچستان کے لوگوں کے درمیان فرق و تفاوت اتنا نہیں ہے جتنا مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے لوگوں میں تھا۔ وہاں تو سرے

سے کوئی قدرِ مشترک سوائے مذہب کے ہے ہی نہیں۔ زبان لے لیجیے' لباس لے لیجیے' خورد و نوش کا معاملہ لے لیجیے' کلچر لے لیجیے' یہاں تک کہ جس شے کا بھی نام لیں وہ ہم سے مختلف ہے۔ یہاں کی عورتوں کے لباس اور وہاں کی عورتوں کے لباس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پٹھان اور بلوچی عورت تو ایک مسلمان بنگالی عورت کو ویسے ہی برہنہ سمجھے گی۔ وہاں تو اصل رشتہ اسلام کا تھا' لیکن اس کی ہم نے نفی کی۔ چنانچہ ہم دوہرے مخمصے میں پھنس گئے۔ ایک تو یہ کہ اپنے نیچے سے ہم نے زمین اور جڑ بنیاد ہی کھسکا دی' اور دوسرے یہ کہ ہمارے لیے عقدۂ لاینحل یہ بن گیا کہ دستور بنائیں تو کیسے بنائیں؟

iii) قومی زبان کا مسئلہ

تیسری اور بہت بڑی غلطی ہم سے قومی زبان کے تعین کے ضمن میں ہوئی' جو دراصل دوسری غلطی ہی کا تتمہ ہے۔ تحریک مسلم لیگ کے دوران تو معاملہ یہ تھا کہ اردو ہی پاکستان کی زبان اور مسلم لیگ کی زبان ٹھہری۔ اقبال نے ''بانگِ درا'' میں اپنے ظریفانہ کلام میں کہا ہے ؎

اے شیخ و برہمن سنتے ہو' کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے' دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے

اس لیے کہ سکھ کے ساتھ جھگڑا قربانی اور جھٹکے کا تھا اور ہندو کے ساتھ ہندی اور اردو کا۔

پاکستان بننے کے بعد معلوم ہوا کہ تحریک کے دور کا جذباتی معاملہ اور اس کی فضا اور ہوتی ہے جبکہ حقائق کچھ اور ہوتے ہیں۔ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو' یہ بہت اہم مسئلہ تھا۔ اُس وقت اردو کو سرکاری اور قومی زبان کے طور پر ٹھونسنے کی بہت بڑی غلطی کی گئی۔ اس غلطی کی ذمہ دار ہماری ٹاپ کی قیادت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں حالات کا کوئی صحیح اندازہ تھا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم کی زندگی ہی میں مشرقی پاکستان میں فساد اور بغاوت ہوئی اور قائداعظم کو شدید علیل ہونے کے باوجود وہاں جانا پڑا۔ لیکن اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مشرقی پاکستان میں ''بنگلہ بھاشہ'' کی تحریک اردو کو زبردستی مسلط کرنے کا ردِعمل تھا۔ اِس پاکستان میں بھی سندھی زبان کسی صورت میں بھی اردو زبان کی بالادستی گوارا کرنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ

حقائق ہیں جن سے کبھی بھی آنکھیں چرانا نہیں چاہئیں بلکہ حقائق کا مواجہہ کرنا چاہیے۔ اردو کی بالادستی پشتو مان لے گی' بلوچی مان لے گی' پنجابی تو مانے ہی ہوئے ہے' بلکہ پنجاب کی تو زبان ہی اردو ہے' خاص طور پر یہاں کے مہذب لوگوں کی زبان ہے ہی اردو' لیکن سندھی اس کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے' اس لیے کہ ان کا دعویٰ ہے اور وہ بہت قوی ہے کہ ہماری زبان قدیم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو تو کل کی چھوکری ہے' اس کی کُل تاریخ تین چار سو برس سے زیادہ نہیں ہے' جبکہ قرآن مجید کی سب سے پہلی تفسیر جو غیر عربی میں لکھی گئی وہ سندھی زبان میں لکھی گئی۔

بہرحال اس ملک کے کچھ بہی خواہ' جیسے سر آغا خان اور زاہد حسین مرحوم (سٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر) نے کہا تھا کہ پاکستان میں عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ اگر قیامِ پاکستان کے بعد عربی زبان کی تعلیم لازمی قرار دے دی جاتی تو زیادہ سے زیادہ بیس برس میں عربی زبان پوری طرح سیکھی جا سکتی تھی۔ اس لیے کہ اگر انگریزی ہم نے اتنی سیکھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا دیں تو کیا عربی نہیں سیکھ سکتے تھے؟ انگریزی تو بالکل الٹی زبان ہے جو بائیں طرف سے لکھی جانے والی leftist زبان ہے' جبکہ عربی rightist زبان ہے۔ ہماری ''ا ب ت'' عربی' فارسی سب کی ایک ہے اور اردو کی بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ پنجابی بھی اس میں لکھی جاتی ہے۔ ہمارے لیے عربی سیکھنا اس لیے بھی مشکل نہ تھا کہ یہ ہمارے دین کی' قرآن کی اور رسول ﷺ کی زبان ہے۔ لیکن اس زبان کا رشتہ چونکہ دین سے جڑتا تھا اور ہمارے ہاں دین ہی سے تو فرار ہو رہا تھا' دین کو تو صرف انفرادی معاملہ بنانا پیش نظر تھا' اسے اجتماعی معاملہ بنانا پیش نظر تھا ہی نہیں' لہٰذا ہمارے اکابرین عربی زبان بطور سرکاری زبان کیسے مان لیتے؟ میں نے چند سال پہلے جب اندرونِ سندھ کا دورہ کیا تھا تو مجھے ایک کتاب دی گئی تھی جو اسی زمانے میں ایک سندھی سکالر کی شائع کردہ تھی کہ عربی کو سرکاری زبان بنایئے' ہم اسے اپنانے کے لیے تیار ہیں۔ بہرحال عربی ہوتی تو اسے پنجابی بھی پڑھتا' اردو والا بھی پڑھتا' سندھی اور بنگالی بھی پڑھتا۔ ان سب کو ایک نئی زبان سیکھنی پڑتی۔ اس طرح یہ معاملہ پیش نہ آتا کہ اردو سپیکنگ کو ایک ترجیح حاصل ہو گئی کہ اسے اس کی مادری زبان میں پڑھایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے وہ تعلیمی میدان میں آگے جائے گا اور اس کی ڈویژن بہتر آئے گی' کیونکہ اسے اس کی مادری زبان میں تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس لیے سندھی اُڑ گیا کہ اس طرح میرا بچہ ''handicap''

رہ جائے گا۔ سب سے پہلے بنگالی اس کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ یہ بات آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ ڈھاکہ یونیورسٹی میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ صرف اتنی سے بات پر انتہائی توہین آمیز سلوک کیا گیا کہ انہوں نے علمی انداز میں یہ بات کہہ دی تھی کہ دو سو سال قبل بنگلہ زبان بھی اسی طرح 'ا ب ت' میں لکھی جاتی تھی۔ یعنی بنگلہ زبان کا رسم الخط یہی تھا جو عربی' فارسی اور اردو کا ہے' بعد میں جب اس کا رسم الخط بدل دیا گیا تو یہ زبان علیحدہ ہو گئی۔ چنانچہ اِس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسے ہم پڑھ ہی نہیں سکتے۔ ورنہ بنگلہ بھاشہ بھی اگر 'ا ب ت' کے حوالے سے لکھی جائے تو ہمارے لیے پچھتر فیصد قابلِ فہم ہے۔ اس طرح وہ اجنبیت اور دوری ختم ہو جائے۔ لیکن اتنی سی بات کہنے پر انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ تحریری طور پر اپنے الفاظ واپس لیں' تب یہاں سے نکلنے دیا جائے گا۔ انہوں نے یہ بات خالص علمی انداز میں کہی تھی۔

iv) مارشل لاء کا نفاذ

اب میں چوتھی بڑی غلطی کی طرف آتا ہوں۔ متذکرہ بالا سب چیزوں کا جو نتیجہ نکلا اس کے لیے انگریزی زبان کا ایک لفظ ''disillusionment'' کافی ہے۔ یعنی لوگوں کی خوش فہمیاں دور ہونے لگیں اور وہ سوچنے لگے کہ یہ کہاں کا اسلام ہے؟ یہ ملک کس لیے حاصل کیا گیا تھا اور ہم جا کدھر رہے ہیں؟ یہ بات میں بھی مانتا ہوں کہ مجموعی طور پر اوسطاً ایک مغربی پاکستانی کے مقابلے میں ایک مشرقی پاکستانی زیادہ مذہبی ہے۔ آپ کے یہاں جو تبلیغی اجتماع ہوتا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ آٹھ لاکھ افراد جمع ہوتے ہیں' جبکہ بنگلہ دیش میں پچیس لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم لیگ نے وہاں جنم لیا اور یہی وجہ تھی کہ متحدہ بنگال میں ایک لمبے عرصے تک خواجہ ناظم الدین وزیر اعلیٰ رہے۔ یہاں آپ کے ہاں تو آخری وقت تک ''یونینسٹ'' گورنمنٹ رہی ہے' مسلم لیگ کی حکومت یہاں ایک دن کے لیے بھی نہیں بنی۔ سرحد میں آخری وقت تک کانگریس کی حکومت تھی۔ لے دے کے اگر کوئی تھا تو اس پاکستان میں صرف سندھ تھا جہاں مسلم لیگ کی منسٹری تھی۔ اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ وہ سندھ بھی اب کہہ رہا ہے کہ ''اٹھا لو پان دان اپنا''۔ یہی دو صوبے تو ''پاکستانی اور مسلم لیگی'' صوبے تھے۔ یہ ''disillusion'' تھا' بقول شاعر خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا'' چنانچہ جذبات پر اوس پڑ گئی۔ ان کے علاوہ باقی چھوٹے چھوٹے فیکٹرز اور بھی بہت سے ہیں۔ مثلاً ہمارے جو

سی ایس پی آفیسرز وہاں جاتے تھے ان کا رویہ اور کردار بالکل نوآبادیاتی نظام کی عکاسی کرتا تھا۔ الّا ماشاء اللہ' مخلص قسم کے لوگ بھی تھے' لیکن یہ معدودے چند تھے' اکثر و بیشتر وہاں کے لوگوں کو نفرت کے ساتھ ہی دیکھتے تھے۔

بہرحال اس وقت میں جس چوتھی بڑی غلطی کا ذکر کرنے والا ہوں وہ مارشل لاء کا نفاذ ہے۔ گویا جلتی پر تیل کا کام مارشل لاء نے کیا ہے۔ مارشل لاء کا مطلب فوج کی حکومت ہوتا ہے اور فوج صرف مغربی پاکستان کی تھی' مشرقی پاکستان کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ گویا فوجی حکومت کا مطلب مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کی حکومت تھا اور مشرقی پاکستانیوں کے نزدیک مغربی پاکستان سے مراد پنجاب تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ''ہم نے پنجابیوں کا غلام بننے کے لیے پاکستان نہیں بنایا تھا''۔ ان کی یہ دلیل قوی تھی' جسے آج بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ان کے سامنے حقائق تھے' ان کے پاس اعداد و شمار تھے۔ آخر وہاں ایک کروڑ ہندو کی شکل میں دشمن جو بیٹھا ہوا تھا اُس نے تو سبوتاژ کرنا ہی تھا' لیکن ان کے ہاتھ میں ہتھیار تو ہم نے دیے ہیں۔ یہ ہندو وہاں موجود تھا' اس کے باوجود پاکستان بنا۔ لیکن جب آپ نے اپنی منزل ہی بدل لی' اپنا قبلہ و کعبہ ہی تبدیل کر دیا' آپ نے اسلام کے بجائے مغرب کی سیکولر جمہوریت کو اپنا اصل الاصول قرار دیا تو پوری تحریک ہی کی نفی ہو گئی۔ اس جلتی پر تیل کا کام فوج کی حکومت نے کیا۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فوج کی حکومت کیوں آئی۔ آیا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب تو نہیں تھا؟ یہ اس لیے آئی کہ مسلم لیگ پارٹی تھی ہی نہیں' وہ تو ایک تحریک تھی' اور تحریک کا اصول یہی ہوتا ہے کہ ایک دفعہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر ختم ہو جایا کرتی ہے۔ مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس ایک پارٹی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک بھارت میں اس کی حکومت چل رہی ہے۔ درمیان میں تھوڑا سا عرصہ آیا تھا کہ ''جنتا دل'' اور کچھ دوسرے گروپوں کی حکومت بنی' ورنہ تقسیم ہند کے بعد سے کانگریس ہی کی حکومت رہی ہے۔ کم از کم چالیس برس تک تو اس کی حکومت چلتی رہی۔ اس لیے کہ وہ ایک پارٹی تھی' جس میں cadres تھے' ڈسپلن تھا اور دستور تھا' جبکہ مسلم لیگ صرف تحریک تھی۔ درحقیقت اُس وقت کے حالات کا تقاضا ہی کچھ ایسا تھا۔ صورت حال ایسی تھی کہ فرصت تھی ہی نہیں کہ اس کی تنظیم اور استحکام کا

معاملہ کیا جاتا۔ لیکن حقیقت کو تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ مسلم لیگ ایک پارٹی نہ تھی۔ خود قائداعظم کہتے تھے کہ میری جیب میں کھوٹے سکّے ہیں۔ اب اس سے بڑی گواہی اور کس کی درکار ہے؟ لہٰذا پاکستان بن گیا اور مسلم لیگ تحلیل ہوگئی۔ تھوڑا عرصہ سول بیوروکریسی نے عیش کیے‘ اس کے بعد آرمی نے نظم و نسق سنبھال لیا۔ لیکن اس کے نتیجے میں احساسِ محرومی شدت سے اُبھرا۔ اور پھر جو اعداد و شمار آتے تھے کہ ہماری کُل آمدنی کا اتنا بڑا حصہ فوج پر خرچ ہوتا ہے جبکہ ساری فوج مغربی پاکستان کی ہے تو مشرقی پاکستانیوں میں یہ احساس روز بروز شدت اختیار کرتا گیا کہ مغربی پاکستان کی حیثیت ہمارے لیے ’’parasite‘‘ کی ہے‘ یہ کھاتے ہیں‘ کماتے ہم ہیں۔ اس سے جو آگ لگی یہ اس کا نتیجہ ہے کہ ’’جگتو فرنٹ‘‘ نے مسلم لیگ کو وہ عبرتناک شکست دی کہ ۱۹۵۴ء میں اسے تین سو میں سے صرف دس سیٹیں ملی تھیں۔ آٹھ برس میں اتنا انقلاب عظیم کیسے آ گیا! کہاں وہ ۱۹۴۶ء کے اعداد و شمار جو آپ ابھی جنرل صاحب سے سن چکے ہیں اور کہاں دس برس میں اتنی بڑی تبدیلی!!

v) دارالخلافہ کی اسلام آباد منتقلی

اس ضمن میں پانچویں غلطی دارالحکومت کا کراچی سے اسلام آباد منتقل ہونا تھی‘ جس نے گویا آخری کیل ٹھونک دی۔ کراچی ایک cosmopolitan شہر تھا۔ اس کے علاوہ یہ شہر ساحلی تھا‘ چنانچہ مشرقی پاکستان کے ساتھ اس کے روابط سمندری اور بحری بھی تھے اور وہ سستے تھے۔ ہوائی سفر تو اس وقت بہت گراں تھا اور صرف سرمایہ داروں ہی کے لیے تھا۔ لیکن وہاں سے دارالخلافہ منتقل کیا گیا۔ اُس وقت بھی بڑے مخلص مشرقی پاکستانیوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ پاکستان کے خاتمے کا نقطۂ آغاز ہے۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ ’’میں باز آیا محبت سے‘ اٹھا لو پان دان اپنا!‘‘

vi) حقائق کو تسلیم کرنے کے بجائے طاقت کا بھونڈا استعمال

مذکورہ بالا غلطیوں کے علاوہ ہماری آخری اور ہمالیہ جیسی غلطی جس نے باقی ساری غلطیوں کے اوپر مہرِ تصدیق ثبت کر دی وہ ہمارا حقائق کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ ۱۹۵۴ء ہی میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی فضا بدل چکی ہے۔ لیکن مسئلہ کی اصل حقیقت کو سمجھے بغیر طاقت کا

استعمال کرنا ہماری وہ آخری غلطی ہے کہ جس نے سارے معاملے کو اپنے آخری منطقی انجام تک پہنچا دیا۔ اس وقت اس ضمن میں تین ’’کاش‘‘ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ یہ لفظ عمومی طور پر ممنوع ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے: ((فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطٰن)) (صحیح مسلم) اس لیے کہ جو ہوا ہے‘ اذنِ ربّ سے ہوا ہے‘ لہٰذا یہ کہنا کہ ’’کاش ایسا ہو جاتا‘‘ مناسب نہیں ہے۔ لیکن انسان اپنے خیالات اور سوچ کو اس انداز میں بیان کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا یہ اس کے خیالات کی تعبیر کا ایک انداز ہے۔ اب میں وہ تین ’’کاش‘‘ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) کاش صدر ایوب صاحب پاکستان کے ڈیگال بن گئے ہوتے۔ فرانس کے صدر ڈیگال نے الجزائر میں ریفرنڈم کرایا۔ ان سے پوچھا کہ بھائی ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں رہنا چاہتے تو جاؤ! وہاں کتنے عرصے تک جنگ ہوتی رہی‘ کتنے ہی فرانسیسی مارے گئے‘ دوسری طرف الجزائری بھی اپنی جانیں دے رہے تھے۔ پھر مسلسل جنگ کی وجہ سے فرانس کی ترقی رکی ہوئی تھی‘ اس لیے کہ اس کے سارے وسائل اس جنگ میں کھپ رہے تھے۔ یہ بات آپ کو یاد ہوگی کہ اس دور میں تین بڑے قد آور ملٹری لیڈر تھے‘ فرانس کے صدر ڈیگال‘ مصر کے صدر ناصر اور پاکستان کے صدر ایوب خان۔ قد آور ہونے میں صدر ایوب بھی ان سے کم نہیں تھے‘ کاش کہ فہم و فراست کے حوالے سے بھی وہ ڈیگال ثابت ہوتے۔ میں نے جون‘ جولائی ۱۹۶۹ء کے میثاق میں مضمون لکھا تھا کہ ہم مشرقی پاکستان کے لوگوں کو جبراً اپنے ساتھ ہرگز نہیں رکھ سکتے‘ اس لیے خدا کے لیے ان سے ریفرنڈم کرائیے کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رہنا چاہتے ہیں تو کن شرائط پر رہنا چاہتے ہیں؟ یہ بات ان سے پوچھ کر طے کیجئے۔ اس کے برعکس اگر جبر کریں گے تو اس کے نہایت خطرناک نتائج نکلیں گے۔ اس لیے کہ دنیا کی کوئی طاقت مشرقی پاکستان کو زبردستی اور جبر کے ساتھ مغربی پاکستان کے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرتا جاؤں کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میری تو کہیں آمد و رفت کا معاملہ بھی نہیں تھا۔ میں تو ۱۹۶۵ء کے بعد سے جب کہ میں دوبارہ لاہور آیا تعلیم و تعلّمِ قرآن مجید ہی میں مصروف تھا۔ لیکن حالات چونکہ سامنے تھے لہٰذا ان سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ایک مردِ درویش تھے اور اپنی

چھوٹی سی کٹیا میں بیٹھے تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف تھے لیکن ہندوستان کے پورے حالات پر ان کی نگاہ تھی۔ انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ ہندوستان میں کوئی مسلمان حاکم یا نواب اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مرہٹوں کی اٹھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا کہ خدا کے لیے تم آؤ‘ ورنہ اس برعظیم ہند سے اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حقائق کو دیکھنا اور بات ہے اور سیاست کے میدان میں عملاً شریک ہونا ایک دوسری بات ہے۔ بہرحال اگر اُس وقت مشرقی پاکستان میں ریفرنڈم کرا دیا جاتا تو اس بات کا بھی امکان تھا کہ پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوتا۔ لیکن آپ نے تو انہیں آپشن دیا ہی نہیں۔ اگر پاکستان کے حق میں فیصلہ نہ بھی ہوتا تو بھی ٹیبل پر بیٹھ کر معاملہ طے ہوسکتا تھا‘ خواہ اس کا نتیجہ علیحدگی کی صورت ہی میں نکلتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سب سے مقدس رشتہ میاں اور بیوی کا ہے لیکن اس میں بھی علیحدگی کی اجازت ہے‘ اگرچہ طلاق کے بارے میں آنحضور ﷺ نے ’’اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ‘‘ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں‘ یعنی اللہ کے نزدیک یہ حلال چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین ہے۔ اگر علیحدگی کا معاملہ احسن انداز میں ہوجاتا تو وہ ردّعمل تو نہ ہوتا کہ انہوں نے ’’مشرقی پاکستان‘‘ کا لیبل اتار کر خلیج بنگال میں پھینک دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ دونوں جرمنی علیحدہ ہوئے لیکن انہوں نے اپنا نام نہیں بدلا‘ اب بھی مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی موجود ہیں۔ اسی طرح دو کوریا اور دو یمن آج بھی ہیں۔ کوئی بھی اپنا نام چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں ردِّعمل اس قدر شدید تھا کہ علیحدگی کے بعد بنگلہ دیش کے پہلے وزیر خارجہ ڈاکٹر کمال حسین نے کہا تھا کہ "We do not like to be called a Muslim country" (یعنی ’’ہم اپنے آپ کو ایک مسلمان ملک کہلوانا بھی پسند نہیں کرتے۔‘‘) آپ نے اسلام کو چھوڑا‘ انہوں نے کہا کہ ہم مسلم بھی نہیں رہنا چاہتے‘ آخر ہمیں اسلام کے نام پر جمع کیا تھا‘ ہمیں احیائے اسلام اور پان اسلام ازم کے خواب دکھائے گئے تھے‘ لیکن ہمارے ساتھ آپ نے کیا کیا ہے!

(۲) کاش کہ ہمارے ہاں کے نام نہاد جمہوریت نواز اور مغربی جمہوریت کے پرستاروں بشمول مذہبی جماعتوں نے صدر ایوب کو مجبور کر کے ’’اگرتلہ سازش کیس‘‘ ختم نہ کرایا ہوتا۔ کاش وہ یہ حرکت نہ کرتے۔ لیکن ؎

کیا امامانِ سیاست‘ کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو!

یہ وہی ابلیس کا چکّر ہے کہ ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر

اور ابلیس کی اس ’’ہُو‘‘ کے زیر اثر ہماری سب مذہبی جماعتیں بھی جمہوریت‘ جمہوریت کا شور مچاتی رہیں اور اس شور کے نتیجے میں اگرتلہ سازش کیس ختم کرایا گیا‘ جس کے نتیجے میں مجیب ہیرو بن کر نکلا۔ کاش کہ ایسا نہ ہوا ہوتا!

(۳) اب میں تیسرے ’’کاش‘‘ کی طرف آتا ہوں۔ اگرچہ حالات کے خراب ہونے کا ایک طویل پس منظر تھا‘ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس میں شخصیات کا کردار بھی بہت اہمیت کا حامل ہے‘ چنانچہ سانحہ مشرقی پاکستان میں بھٹو اور مجیب الرحمٰن کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تو حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ سامنے آئے تو پتہ چلے کہ اس ضمن میں کس کا کیا رول تھا۔ اس وقت میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کاش یحییٰ خان الیکشن کے اعلان کے ساتھ مغربی پاکستان کا ’’ون یونٹ‘‘ ختم نہ کرتا۔ اس کا مثبت نتیجہ یہ نکل سکتا تھا کہ اگر یہ ’’ون یونٹ‘‘ ہوتا اور مشرقی پاکستان بھی ایک یونٹ تو اس صورت میں اگر شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات پر بھی معاملہ طے ہوجاتا تو قطعاً گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ گویا یہ ایک طرح کی کنفیڈریشن ہوجاتی۔ لیکن ان چھ نکات کا اگر یہاں کے صوبوں پر اطلاق کیا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں بھی چار ریاستیں وجود میں آتیں۔ اس کے برعکس اگر یہاں ’’ون یونٹ‘‘ برقرار رہتا تو دو ریاستیں بن جاتیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ سب ’’کاش‘‘ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نے کسی معاملے میں کہیں بھی سمجھ داری کا ثبوت نہیں دیا اور غلطی پر غلطی کرتے چلے گئے تو پھر ’’شامت اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت‘‘۔ اب ’’صورتِ نادر‘‘ میں بھٹو کو شمار کرلیں یا مجیب کو‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ہماری شامتِ اعمال ہے۔ یہ بونے سے لوگ بظاہر بہت اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں‘ لیکن ان کی اہمیت اصل معاملات کے اندر وہ نہیں ہوتی جو بظاہر نظر آتی ہے۔ ان معاملات کا ایک طویل پس منظر ہوتا ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ۔ عذابِ الٰہی کا کوڑا: ہماری بدعہدی کی سزا

یہ باتیں جو میں نے عرض کی ہیں وہ عقلی‘ منطقی‘ سیاسی اور دستوری نوعیت کی ہیں۔ اب میں سو باتوں کی ایک بات آپ سے عرض کرتا ہوں کہ قرآن کی تشخیص کی رو سے ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ قرآن حکیم کی تشخیص یہ ہے کہ یہ اللہ سے بدعہدی کی سزا ہے جو ہمیں ملی ہے۔ اور یاد رکھیے کہ یہ سزا کی پہلی قسط تھی‘ سزا کا دوسرا کوڑا جو پڑنے والا ہے وہ اس سے بھی شدید تر ہوگا۔ اور اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا اور توبہ نہ کی تو یہ کوڑا ہماری پشت پر لازماً پڑے گا‘ لامحالہ پڑے گا‘ ضرور پڑے گا۔ سورۃ التوبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بیان ہوا ہے۔ چنانچہ منافقین کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۷۷﴾

’’ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا (غنی کر دے گا) تو خوب صدقہ خیرات کریں گے اور صالح بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا تو انہوں نے بخل کیا اور پیٹھ موڑ لی اور اعراض کیا (گویا بھول گئے کہ کیا وعدے کیے تھے)۔ چنانچہ اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اُس دن تک جس دن یہ لوگ اُس سے ملاقات کریں گے‘ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔‘‘

جیسا کہ جنرل صاحب سقوطِ ڈھاکہ کے چشم دید گواہ ہیں اسی طرح میں تحریکِ پاکستان کا چشم دید گواہ ہوں۔ میں نے ہائی سکول کے طالب علم کی حیثیت سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن کے طور پر تحریکِ پاکستان میں کام کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ عیدین اور اجتماعاتِ جمعہ میں گڑگڑا کر دعائیں مانگی جاتی تھیں کہ اے اللہ! ہمیں ہندو اور انگریز کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرما۔ اگر تو ہمیں ان سے نجات عطا کر دے گا اور ایک آزاد خطۂ زمین ہمیں عطا کر دے گا تو

ہم وہاں تیرے دین کا بول بالا کریں گے‘ وہاں تیرے نبی ﷺ کے دین کا نفاذ کریں گے۔ پورا برعظیم ’’پاکستان کا مطلب کیا‘ لا الٰہ الا اللہ‘‘ کے نعروں سے گونج اٹھا تھا۔ لیکن جب اللہ نے ہمیں آزادی کی نعمت سے نواز دیا تو ہم نے اللہ سے کیے گئے وعدے کو بھلا دیا‘ چنانچہ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ کے مصداق سزا کے طور پر اللہ نے ہمارے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ یہ اللہ کا قانون ہے جو ہم پر صد فیصد لاگو ہوا ہے۔

نفاق کی دو شکلیں ہیں جو بدقسمتی سے آج پاکستانی معاشرے کا شناختی نشان بن چکی ہیں۔ نفاق کی ایک صورت وہ ہے جسے نفاقِ عملی کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک قول مبارک کے مطابق منافق کی چار علامتیں ہیں:

((اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) (متفق علیہ)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ چار اوصاف ایسے ہیں کہ جس میں یہ چاروں اوصاف پائے جائیں وہ کٹر منافق ہے‘ صد فی صد منافق ہے‘ لیکن اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف پایا جائے تو وہ اسی نسبت سے منافق ہے‘ جب تک کہ وہ اس سے باز نہیں آتا۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے‘ (۲) وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے‘ (۳) امین بنایا جائے تو خیانت کرے‘ اور (۴) اگر کہیں کوئی جھگڑا ہو جائے تو فوراً آپے سے باہر ہو جائے‘ گالم گلوچ اور مار دھاڑ پر اتر آئے۔ آپ دیکھ لیجیے کہ ہمارے معاشرے میں یہ چاروں چیزیں موجود ہیں۔ ہمارے ہاں جو جتنا بڑا ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے‘ اتنا ہی بڑا خائن ہے‘ اور اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے۔ نفاق کی دوسری صورت کو نفاقِ باہمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آج ہماری قوم قومیتوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ فرقہ واریت‘ طبقاتیت‘ لسانیت اور صوبائیت نفاقِ باہمی کی مختلف صورتیں ہیں کہ جن سے ہم دوچار ہیں۔

اس نفاقِ باہمی اور نفاقِ عملی سے ایک طرف ہمارے کردار کا دیوالیہ نکل گیا ہے اور دوسری طرف اتحاد و اتفاق ختم ہو گیا ہے۔ لیکن ہم نے اس ’’عذابِ ادنیٰ‘‘ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ میرا اشارہ سورۃ السجدہ کی آیت ۲۱ کی طرف ہے۔ جنرل صاحب نے اس کی ہم مضمون آیت سورۃ الروم کی آیت ۴۱ کی تلاوت کی ہے‘ جس کے الفاظ ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾﴾

پاکستانی معاشرے پر یہ آیت صد فیصد چسپاں ہوتی ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بر و بحر کے اندر لوگوں کے ہاتھوں کے کرتوتوں کے سبب فساد رونما ہو چکا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے کچھ کرتوتوں کا مزا چکھائے۔ (گویا یہ سزا ابھی ہمارے کچھ کرتوتوں کی ہے' سارے کرتوتوں کی نہیں ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾﴾ یعنی بہت سی چیزوں سے تو وہ درگزر بھی کرتا ہے۔) اللہ تعالیٰ یہ سزا اس لیے دیتا ہے کہ شاید لوگ باز آ جائیں' ہوش میں آ جائیں۔ یہی مضمون سورۃ السجدہ میں بایں الفاظ آیا ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾﴾

''ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزا چکھائیں گے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں۔''

گویا یہ چھوٹا عذاب تھا اس بڑے عذاب کے مقابلے میں جو کہ آنے والا ہے۔ ویسے اپنی جگہ تو یہ بھی عظیم ترین عذاب تھا۔ اس لیے کہ جن ہندوؤں پر آٹھ سو برس تک حکومت کی تھی ان کے قیدی بن کر رہے ہیں۔ ترانوے ہزار افراد کو قیدی بنا کر مدھیہ پردیش سنٹرل انڈیا تک ٹرکوں کے اندر لاد کر بھیڑوں بکریوں کی طرح لے جایا گیا۔ اس موقع پر اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ ''ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا انتقام لے لیا ہے''۔ اندازہ کیجیے کہ یہ بات موتی لال نہرو کی پوتی اور جواہر لال نہرو کی بیٹی کہہ رہی ہے۔ ہندوؤں میں کوئی لبرل خاندان ہو سکتا ہے تو چوٹی کا لبرل خاندان یہی ہے' لیکن اس کی ذہنیت کا مظہر بھی یہ ہے جو اس جملے میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ شکست ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہے' لیکن یہ عذابِ ادنیٰ ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اتنی بڑی شکست کو میں ''عذابِ ادنیٰ'' کیوں کہہ رہا ہوں۔ اس لیے کہ غنیمت سمجھئے کہ ابھی یہ پاکستان باقی ہے اور بنگلہ دیش بھی ایک بڑی مسلمان مملکت کے طور پر موجود ہے۔ شاید آپ حضرات نے ان دنوں اخبارات میں یہ خبر پڑھی ہو کہ چٹاگانگ سے دس ہزار افراد نے ڈھاکہ کی طرف مارچ کیا ہے کہ شریعت نافذ کرو۔ گویا اسلام کے معاملے میں ان کے ہاں بھی

جذبہ پوری طرح موجود ہے۔ اسی طرح تسلیمہ نسرین کے ساتھ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس سے ان کی مذہبی غیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو وہاں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا ہے۔

اب میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اصل میں تو یہ دو خطوں پر مشتمل پاکستان اللہ نے ہمیں بونس میں دیا تھا۔ یہ خالصتاً اللہ کا فضل تھا' ورنہ مصورِ پاکستان نے خطبہ الٰہ آباد میں اس ملک کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ان کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ جس میں انہوں نے کہا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک مسلمان ریاست قائم ہوگی' اس خطبے میں مشرقی پاکستان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہ تو اللہ نے اس وقت عطا کیا کہ جب راس کماری سے درۂ خیبر تک ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!'' کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اللہ نے کہا کہ ایک نہیں' دو خطوں پر مشتمل پاکستان لو! تم نے ایک کا خواب دیکھا ہے' یہ دو خطے لو! چنانچہ مصورِ پاکستان کا اصل پاکستان ابھی باقی ہے۔

دوسری بات یہ نوٹ کیجیے کہ اس برعظیم ہند میں ابتداءً اصل ''پاکستان'' جو بنا تھا وہ یہی تھا۔ ۱۲۰۶ء تک کا ''پاکستان'' یہی تھا۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ سندھ کے راستے اس برعظیم میں آئے اور اس وقت کے مغربی پاکستان کا جنوبی نصف مملکت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ پھر تین سو برس کے بعد محمود غزنوی اور ان کے بعد معزالدین غوری کے ہاتھوں موجودہ مغربی پاکستان یا ''What remains of Pakistan'' کا شمالی حصہ مشرف باسلام ہوا۔ پھر ۱۲۰۶ء میں کہیں جا کر دہلی پر حکومت قائم ہوئی۔ گویا تاریخ نے آج آپ کو وہیں پہنچایا ہوا ہے۔

پاکستانی قوم کے لیے لمحۂ فکریہ

اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس سانحہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ اس کے شب و روز میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟ اس کی مشغولیتوں اور دلچسپیوں میں سرمو کوئی فرق واقع ہوا ہے؟ کسی کی زندگی کا نقشہ بدلا ہو' اس کی ترجیحات بدلی ہوں' کسی نے حرام خوری چھوڑی ہو' کسی نے سودی معاملہ چھوڑا ہو؟ اپنے اوپر قیاس کر لیجیے کہ کوئی سبق حاصل نہیں ہوا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ عریانی اور فحاشی ہے تو اُس وقت کے مقابلے میں سوگنا زیادہ ہے' فراڈ اور غبن ہے تو ہزار گنا زیادہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی نوٹ کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تقویم ہے۔

اس نے ہمیں ۲۵ برس کی مہلت دی تھی۔ شمسی حساب سے اگرچہ یہ چوبیس برس اور چار مہینے بنے تھے لیکن قمری حساب سے قیامِ پاکستان کو پورے ۲۵ برس ہو گئے تھے کہ جب اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑا۔ اب پھر دوسرے پچیس برس پورے ہو رہے ہیں۔ میں وہ ''Sense of urgency'' منتقل کرنا چاہتا ہوں کہ ''دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!'' وہ دوسرا کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑنے کو ہے۔ اس بات کو کوئی انہونی نہ سمجھنا چاہیے' واقعتاً صورت حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ ہم ''ورلڈ بینک'' اور ''آئی ایم ایف'' جیسے اداروں کے شکنجے میں آ چکے ہیں۔ اس وقت یہودیوں کا ذرائع ابلاغ پر تسلط ہے اور ان کا عالمی سطح پر مالیاتی نظام پوری دنیا کو کنٹرول کر رہا ہے۔

آپ سوچیے کہ کیا نواز شریف مسلمان نہیں ہے؟ اس نے مسلمان ماں کا دودھ نہیں پیا ہے؟ یہ میاں شریف کا بیٹا ہے جو تہجد گزار ہے۔ یہ خود بھی نمازی ہے۔ لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ اسلام کے نام پر دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے باوجود شریعت کی بالادستی کے لیے دستور میں ترمیم نہیں کر سکا' جبکہ نظر آ رہا تھا کہ میرے سارے اتحادی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ گویا یہ عالَم تھا کہ ع ''میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا''۔ کیا اسے معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ ''Slow poisoning'' ہے جس سے میری اپنی سیاسی موت واقع ہو رہی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے وہ کچھ نہیں کر سکا۔ اس لیے کہ عالمی قوتوں کا دباؤ ہے' ہم عالمی استعمار کے شکنجے میں جکڑے جا چکے ہیں' نیو ورلڈ آرڈر ہمیں اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ آپ مالیاتی نظام کی مہاجنی جکڑ بندیوں کے اندر کسے ہوئے ہیں۔ وہاں تو فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے سے زلزلہ آ گیا تھا کہ اس نے ''Bank Interest'' کو ربا قرار دے کر حرام قرار دے دیا۔ اس کے خلاف ردعمل اتنا شدید ہوا کہ جو امداد پائپ میں چلی آ رہی تھی اسے بھی پاؤں رکھ کر روک دیا گیا۔

ایک طرف صورت حال کی سنگینی کا یہ عالَم ہے' جبکہ دوسری طرف ہماری حالت یہ ہے کہ جیسے کوئی جانور کہیں زخمی حالت میں پڑا ہو تو گدھ اس کے پاس آ کر جمع ہو جاتے ہیں کہ ابھی جان نکلے تو اسے نوچیں۔ چنانچہ ایک طرف کشمیر پر امریکہ کا گدھ منڈلا رہا ہے' کیونکہ اسے سنٹرل ایشیا میں بھی ایک ''اسرائیل'' کی ضرورت ہے۔ عالَم عرب کے اوپر تو اس نے اسرائیل

کو مسلط کر دیا ہے۔ اب تو سارے عرب ممالک قطار باندھے حکم کے انتظار میں سر جھکائے تیار کھڑے ہیں۔ پھر ہمارے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کر کے پرنس کریم آغا خان کے ذریعے کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پرنس فلپ نے تو پاکستان کا دورہ ہی اسی لیے کیا تھا' ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بے نظیر سے کیا طے کر کے گئے ہیں۔ ادھر بلوچستان کے ساحل پر امریکہ کو قدم جمانے کے لیے موقع دیا جا رہا ہے' اس لیے کہ اس نے ایران سے نپٹنا ہے اور آخر خلیج کے دہانے پر بھی بیٹھنا ہے! اسی طرح کراچی کو جناح پور' ہانگ کانگ یا کوئی اور سنگاپور بنانے کے منصوبے بن چکے ہیں۔ یہ وہ گدھ ہیں جو ہمارے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔ ان کا یہ اصول ہے کہ یہ دو دو options رکھتے ہیں۔ گویا یہ اپنے تمام انڈے ایک ٹوکری میں رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ انہیں کشمیر میں قدم جمانے کا موقع دیا جائے یا شمالی علاقوں میں' اسی طرح جناح پور بن جائے یا سندھو دیش' یہ چاہتے ہیں کہ کچھ تو ہو جائے۔ اور اگر ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا تو بلوچستان کے ساحل پر جگہ مل جائے! بہرحال اس وقت حالات یہ ہیں کہ ؎

آگ ہے' اولادِ ابراہیم ہے' نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

اور ؎

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی!

ہمارے لیے آسمان امریکہ بہادر ہی تو ہے۔

پس چہ باید کرد؟

اب آیئے اس گفتگو کے عملی پہلو کی طرف کہ اس وقت جو ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا عفریت ہمارے سامنے کھڑا ہے آخر اس کا علاج کیا ہے۔ بقول اقبال ع ''علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی''۔ علاج یہ ہے کہ رجوع کرو اپنی اس اصل کی طرف جس کے لیے پاکستان بنایا تھا۔ افراد بھی توبہ کریں اور اپنی معاش اور معاشرت میں سے غیر اسلامی چیزیں نکال دیں۔ پھر پوری قوم توبہ کرے اور اجتماعی توبہ کے لیے ایک مضبوط جماعت ہو کہ جو منکرات کے خلاف طاقت کے ساتھ جہاد کرے۔ یہ جماعت پاور پالیٹکس کے کسی کھیل میں شریک نہ ہو۔ یہ

جماعت پاکستان میں خلافت کے نظام کی داعی ہو اور پورے عالمی سطح پر نظام خلافت کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جائے جس میں پہلا مرحلہ پان اسلام ازم کا ہوگا‘ یعنی پورے عالمِ اسلام کو متحد کر کے خلافت کے نظام کے تحت کرنا۔ میں آپ کو گاندھی کا جملہ سنا چکا ہوں جو اس نے قائداعظم سے کہا تھا کہ ’’آپ کے پاکستان کا مطلب پان اسلام تو نہیں ہے؟‘‘

i) نظامِ خلافت کا قیام — قرآن وسنت کی غیر مشروط بالادستی

نظامِ خلافت کے خدوخال کے حوالے سے میں کئی کئی گھنٹے کی مفصل تقاریر کر چکا ہوں۔ اس وقت ایک آیت کا حوالہ دے رہا ہوں جس میں جدید اسلامی خلافت کا پورا نقشہ موجود ہے۔ یہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ ہے۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹ ﴾

’’اے اہلِ ایمان! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور اپنے میں سے اولوالامر کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلافِ رائے ہو جائے تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم واقعتا اللہ پر اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ بہتر بھی ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی بہت مفید ہے۔‘‘

دیکھئے جدید ریاست کے تین ستون شمار ہوتے ہیں۔ پہلا ستون مقنّنہ (Legislature) ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ یعنی کتاب وسنت کی بالادستی۔ دستور میں ایک ترمیم کر دیجیے کہ ہر معاملہ میں شریعت کو مکمل بالادستی حاصل ہوگی‘ تو اس سے دستوری سطح پر خلافت قائم ہو جائے گی۔ قراردادِ مقاصد میں یہ بات اصولاً طے ہو چکی ہے‘ صرف دستور میں ایک ترمیم درکار ہے جو نواز شریف صاحب نہیں کر سکے۔ اس کے لیے تو ایک عوامی جدّوجُہد کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام تب ہوگا جب پوری قوم جانیں دینے کے لیے کھڑی ہو جائے گی۔ اور پوری قوم سے میری مراد لوگوں کی اتنی معتد بہ تعداد ہے جو پوری قوم کے اندر ایک آگ لگا دیں۔ اگر اس طرح کی تحریک برپا کر دی جائے تو کوئی امریکہ کیا امریکہ کا باپ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ پھر اللہ کی مدد آئے گی‘ اس لیے کہ قرآن حکیم

میں کہا گیا ہے: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد:۷) ’’اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔‘‘ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ﴾ (الحج:۴۰) ’’اللہ لازماً ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔‘‘

دوسری چیز جو اس آیت مبارکہ میں جدید دستور اسلامی کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے وہ لفظ ’’اُولِی الْاَمْرِ‘‘ ہے۔ گویا یہ لفظ انتظامیہ (Executive) کے ادارے کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں یہ ’’اولی الامر‘‘ مسلمانوں میں سے ہوگا‘ غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم کی حیثیت ذمی یعنی ’’Protective Minority‘‘ کی ہوگی۔ اسلامی ریاست اس کے جان‘ مال اور عزت کی حفاظت کا ذمہ لے گی۔ لیکن نہ تو مقنّنہ (Legislature) میں اس کا عمل دخل ہو سکتا ہے‘ اس لیے کہ وہاں قانون سازی کتاب وسنت کے مطابق ہوگی اور وہ کتاب وسنت کو تسلیم ہی نہیں کرتا‘ اور نہ ہی انتظامیہ میں وہ کلیدی عہدوں پر فائز ہو سکتا ہے۔ تاہم ٹیکنیکل شعبوں میں اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

جدید ریاست کا تیسرا ستون عدلیہ ہوتی ہے اور عدلیہ کا ادارہ ہی دستور کا محافظ ہوتا ہے کہ اگر اختلاف ہو جائے کہ آیا یہ شے شریعت کے مطابق ہے یا نہیں تو وہ اس کا فیصلہ کرے۔ مقنّنہ ایک قانون پاس کرتی ہے‘ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کتاب وسنت کے منافی ہے تو اب جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے کو کیسے طے کرنا ہے؟ اس کا ذکر آیت کے اگلے ٹکڑے میں ہے۔ فرمایا: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ ’’پھر اگر تم کسی معاملے میں جھگڑنے لگو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹا دو‘‘۔ تنازع کے حوالے سے یہاں عدلیہ (Judiciary) کا ذکر آ گیا۔ کوئی قانون دستور سے متصادم ہے یا دستور کے مطابق ہے‘ اس کا فیصلہ عدلیہ کرے گی۔ جدید ریاست انہی تین اداروں سے بحث کرتی ہے‘ جن کو اس ایک آیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس حوالے سے یہاں میں ذکر کرتا چلوں کہ ضیاء الحق مرحوم نے فیڈرل شریعت کورٹ قائم کر کے صحیح رخ پر قدم اٹھایا تھا‘ یہ دوسری بات ہے کہ ’’half-heartedly‘‘ بلکہ ’’quarter heartedly‘‘ ہی تھا۔ چنانچہ اپنی بنائی ہوئی فیڈرل شریعت کورٹ کو انہوں نے دو ہتھکڑیاں پہنا دیں اور دو بیڑیاں ڈال دیں۔ وہ دو ہتھکڑیاں یہ تھیں کہ دستور بھی شریعت سے

بالاتر ہے اور عائلی قوانین بھی۔ اور دو بیڑیاں یہ تھیں کہ مالی قوانین بھی شریعت سے بالاتر ہیں اور عدالتی قوانین بھی۔ اب آپ سوچیے کہ سوائے فراڈ کے باقی رہ کیا گیا؟ ہاں یہ بات ہے کہ کچھ لوگوں کی ان عدالتوں کے حوالے سے تنخواہیں چل رہی ہیں۔ لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتے! قوانین کے حوالے سے جو بیڑی یا ہتھکڑی تھی وہ دس سال کے لیے تھی' لہٰذا دس سال پورے ہونے کے بعد کھل گئی ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وفاقی شرعی عدالت نے مالی قوانین کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ لیکن میاں نواز شریف کی حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر کے اس فیصلے کو عملاً کالعدم کر دیا۔

ii) وفاقی صدارتی نظام کی ضرورت

دوسری بات یہ کہ اس ملک کے لیے اگر کوئی خیر ہے تو وہ صدارتی نظام میں ہے۔ یہ پارلیمانی نظام انگریز کی وراثت ہے جو اپنی روایت پرستی کے ہاتھوں مجبور ہے۔ انہوں نے تو خواہ بادشاہ ہو یا ملکہ ہر صورت میں اسے اپنے سر پر بٹھانا ہے۔ میں اسے ''Human Zoo'' (یعنی انسانی چڑیا گھر) سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ لوگ وہاں جاتے ہیں شاہی عمارات کی سیر کرتے اور شاہی خاندان کے افراد کی زیارت کر کے واپس آ جاتے ہیں۔ گویا یہ ان کا ایک کھیل اور دلچسپی کا سامان ہے۔ لہٰذا انہیں تو پارلیمانی نظام بنانا ہی ہے' ہمارے ہاں یہ ثنویت خواہ مخواہ اختیار کر لی گئی ہے۔ ہمارے دستور کے مطابق ریاست کا سربراہ کوئی اور ہے اور سربراہِ حکومت کوئی اور! اب جو ریاست کا سربراہ ہے وہ یا تو چودھری فضل الٰہی بن کر رہ جائے گا یا غلام اسحاق خان بن جائے گا' بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ضیاء الحق ثابت ہوگا۔ مجھے بتا دیجیے کہ تیسری شکل کون سی ہے؟ یہ انگریز کی وراثت ایک لعنت ہے' اس کا جنازہ جتنی جلدی نکالا جا سکے ہمارے حق میں اتنا ہی بہتر ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ثانوی ہے۔ ہماری اولین ترجیح یہ ہے کہ پہلے شریعت کی غیر مشروط بالادستی طے ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر چاہے صدارتی نظام ہو' چاہے پارلیمانی' سب لعنت ہے۔ شریعت کی بالادستی کے بغیر دونوں شرک اور کفر ہیں۔ ہاں' ملک کے عوام مسلمان ہوا کریں' نظام بہرحال کافرانہ ہے۔

ایک اور چیز جو روحِ عصر کا ایک تقاضا ہے وہ صحیح معنوں میں وفاقی نظام ہے۔ اور یہ حکمت کا بھی تقاضا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ ہر ایک کو اپنی زبان پسند ہے۔ لیکن میں عرض

کر چکا ہوں کہ ہمارے لیے کوئی زبان بھی مقدس نہیں سوائے عربی زبان کے۔ پنجابی کو پنجابی پسند ہو' سندھی کو سندھی پسند ہو تو کوئی حرج نہیں۔ نہ سندھی زبان کفر ہے اور نہ ہی پنجابی زبان کفر ہے۔ وفاق کے اندر جو بھی لسانی اور نسلی اکائیاں ہوں ان کو مناسب مقام دینا چاہیے۔ بھارت سے سبق سیکھیے' اس نے لسانی بنیادوں پر صوبے بنا دیے تو اس میں کون سی کمی یا کمزوری پیدا ہو گئی؟ وہاں ہر صوبے کی اپنی اپنی زبان ہے اور اپنی زبان میں سارا صوبائی معاملہ چل رہا ہے۔ مرکز کے ساتھ معاملہ ہوگا یا بین الصوبائی ہوگا تو وہ انگریزی زبان میں ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تامل ناڈو میں تامل زبان ہے' آندھرا پردیش میں تلگو اور کیرالہ میں ملیالم دفتری زبان ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار زبانیں ہیں جو وہاں چل رہی ہیں اور کوئی بھی ترقی کے راستے میں مانع نہیں ہے۔ آخر اتنی زبانوں سے وہاں کون سی قیامت آ گئی ہے؟ اسی طرح ہمارے ہاں بھی ایک کروڑ افراد کی اگر کوئی لسانی یا نسلی عصبیت ہے تو اسے تسلیم کریں' اس کی نفی نہ کریں۔ اس حوالے سے یہ بات بہرحال ذہن میں رکھنی چاہیے کہ معمولی سے لسانی فرق کی بنیاد پر تقسیم ممکن ہے نہ مناسب۔ اس لیے کہ زبان میں معمولی سا فرق تو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں ہو جاتا ہے۔ گوجرانوالہ سے سیالکوٹ جا کر زبان بدل جائے گی۔ لیکن جو موٹی موٹی تقسیمیں ہیں ان کے مطابق صوبوں کی تقسیم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح اگر ''ریاست ہائے متحدہ پاکستان'' وجود میں آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ایک مضبوط وفاقی نظام ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ''states'' کو اختیارات بھی دیجیے' انہیں اجازت دیجیے کہ اپنے کلچر کو رواج دیں۔ ہاں یہ طے ہو کہ شریعت کے خلاف کوئی شے نہیں ہونے دیں گے۔ یکجہتی کی ذمہ دار فیڈرل گورنمنٹ ہوگی۔ آج دنیا میں امریکہ کا وفاقی صدارتی نظام کس کامیابی سے چل رہا ہے۔

یہ صدارتی نظام بھی دراصل نظامِ خلافت سے لیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ ست

چنانچہ شیطان کو جمہوریت بھی اسی لیے دینی پڑتی ہے کہ خلافت راشدہ میں عوام کو ایک حق دیا گیا

تھا کہ مسلمانوں کا منتخب خلیفہ ہوگا۔ خلیفہ کے انتخاب میں مسلمانوں کی رائے یعنی امر المسلمین فیصلہ کن ہوگا۔ انسانوں کو یہ حق تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے دیا ہے‘ تب شیطان کو بھی پیروی کرنی پڑی۔ اب اگر دنیا کی کوئی ’’achievements‘‘ ہیں تو ان کو تسلیم کیجیے۔

iii) نئی صوبائی تقسیم

تیسری بات یہ کہ سندھ کے مسئلے کا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے کہ صوبے چھوٹے بنائے جائیں۔ اس وقت میں سیاست دانوں کے مختلف فیہ بیانات کے حوالے سے بات نہیں کر رہا‘ اس لیے کہ وہ پینترے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تو سیاست دانوں کی حکومت کے ساتھ سودا بازی ہے جس میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ لیکن میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں اور بہت عرصے سے کہہ رہا ہوں کہ سندھ کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ ایک کروڑ سے زیادہ مہاجر جو اردو سپیکنگ ہیں ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیجیے اور انہیں کوئی تو علاقہ دیجیے کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ ہمارا ہے۔ انہوں نے ایک زمانے میں یہ کہا تھا کہ ہمیں یہاں دو چیزیں دے دیجیے۔ ایم کیو ایم کا کہنا تھا کہ کراچی کی کارپوریشن ہمارے حوالے کر دیجیے اور پولیس اور ٹریفک ہمیں دے دیجیے۔ لیکن یہ چیزیں دینے کو بھی کوئی تیار نہیں تھا۔ اگر آپ کسی کو اس کے حق سے محروم کریں گے تو احساسِ محرومی اس انتہا کو پہنچے گا جہاں اس وقت پہنچ گیا ہے۔ میں نے آج سے دس سال قبل ’’استحکامِ پاکستان‘‘ نامی کتاب لکھی تھی‘ جس میں استحکامِ پاکستان اور اس کے لوازم بیان کیے تھے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کتاب کا دوسرا حصہ ’’استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ‘‘ لکھی تھی۔ میں سیاست دان ہرگز نہیں ہوں۔ بقولِ شاعر ع ’’بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں!‘‘ لیکن حالات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بصیرت مجھے اللہ نے عطا کی ہے۔ اور ع ’’سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!‘‘ یہاں مدینہ و نجف کے بجائے کہہ لیجیے کہ ہماری آنکھ کا سرمہ قرآن و سنت ہے۔ میری دو آنکھیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہیں۔ بہرحال میں نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں مسئلہ سندھ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ اس وقت میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ باتیں میں آج نہیں کہہ رہا بلکہ برسوں سے کہہ رہا ہوں۔

iv) عربی بطور سرکاری زبان

اس ضمن میں آخری بات یہ کہ سرکاری زبان کے بارے میں طے کیجیے کہ یہاں عربی ہوگی اور عملی اقدام کے طور پر فوری طور پر عربی کی تدریس پہلی جماعت سے لازمی کیجیے۔ اور یقین رکھیے کہ بیس برس کے اندر اندر کایا پلٹ جائے گی۔ عربی زبان کی وجہ سے پورے عالَمِ عرب کے ساتھ ایک رابطہ قائم ہو جائے گا۔ یہ رابطہ گویا پان اسلام ازم کی طرف ایک اہم قدم ہوگا‘ اور اس سے پان اسلام ازم کی تحریک کو تقویت ملے گی۔ یہ اقدامات کریں گے تو مسئلہ حل ہوگا‘ ورنہ نہیں!

حرفِ آخر

اور سب سے بڑی بات یہ کہ آج کی نشست کے آغاز میں سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیات پڑھی گئی ہیں ان کے آخر میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ ہم پر صد فی صد راست آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ﴾ یعنی ’’تمہارا رب اب بھی تم پر رحم فرمانے کے لیے تیار ہے‘ لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے‘‘۔ یہ تو دنیا کی سزا کا ذکر ہے۔ آیت کے اگلے حصے میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸﴾ ’’اور ہم نے کافروں کے لیے تو جہنم تیار کر رکھی ہے‘‘۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ ’’بے شک یہ قرآن اس راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا ہے‘‘۔ اللہ کی رحمت کا دروازہ یہ قرآن ہے۔ اگر سائبان کے نیچے آنا چاہتے ہو تو یہ قرآن کا سائبان موجود ہے۔ گویا رحمت خداوندی میں داخل ہونے کا ’’شاہ درہ‘‘ یہ قرآن ہے۔ بہرحال میں یہ بات تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے تیس سال اس قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے میں لگائے ہیں۔ اس عرصے میں انجمن خُدّام القرآن قائم کی‘ قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج قائم کیا‘ قرآن کانفرنسیں اور قرآنی تربیت گاہیں منعقد کیں۔ میں نے یہ سارا کام اس تشخیص کی بنیاد پر کیا ہے کہ اس وقت اُمت اس قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے زوال سے دوچار ہے۔ بقول اقبال ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

یہی بات علامہ اقبال نے اپنے ایک اردو شعر میں بہت سادہ انداز میں بیان کی ہے ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کی آخری آیات میں بہت اہم پیغام دیا جا رہا ہے :

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿٩﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾﴾

”بے شک یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اُس راہ کی طرف جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو جو عمل صالح کی روش اختیار کرتے ہیں کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے‘ اور یہ کہ جو آخرت کے منکر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

بہر حال یہ کام قرآن ہی کے ذریعے ہوگا۔ قرآن کے ساتھ تعلق استوار کرنے کے لیے بھی پہلی جماعت سے عربی کی تدریس ضروری ہے۔ ہمارے اس اقدام سے قوم بحیثیت مجموعی قرآن کے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔ یہ بات میں پوری انشراحِ صدر کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اس کے سوا اس ملک کے لیے کوئی بچاؤ کی راہ نہیں ہے۔ اقبال کا یہ شعر پاکستان پر بھی صد فیصد صادق آتا ہے کہ ؎

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اس لیے کہ پاکستان کے استحکام کے لیے اسلام کے سوا اور کوئی بنیاد سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر ادھر نہیں آئیں گے تو اللہ کے عذاب کا دوسرا کوڑا ابھی ہماری پیٹھ پر پڑے گا اور ”ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں“۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

جنّت اور جنّتیوں کے احوال

(قرآن کی روشنی میں)

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جب رسول اللہ ﷺ کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو آپؐ نے اللہ کے حکم سے انسانوں کو زندگی کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ہر شخص کی یہ زندگی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہونے والی ہے جس میں دنیا کی زندگی میں کیے ہوئے اعمال کا بدلہ چکایا جائے گا۔ لوگوں نے آپ ﷺ کی بات نہ مانی‘ حالانکہ یہ حقیقت ہر ایک کے مشاہدہ میں ہے کہ دنیا کی اس زندگی میں اچھے کام کرنے والوں کو صلہ نہیں ملتا۔ اسی طرح بدکرداروں‘ ظالموں اور جرائم پیشہ لوگوں کو سزا نہیں ملتی‘ تو ضرور ایک وقت ایسا ہونا چاہیے جس میں اچھوں کو ان کی اچھائیوں کا اور بروں کو ان کی برائیوں کا بدلہ ملے۔ اگرچہ گزرے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی یہ حقیقت واضح کر دی تھی‘ مگر لوگ اسے بھول چکے تھے۔ آپ ﷺ کے بتانے پر لوگوں نے آپؐ کی بات بھی نہ مانی اور اپنے آباء واجداد کے طریقوں کو نہ چھوڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے خالق کائنات کا پیغام لوگوں کو سنایا اور بتایا کہ اس زندگی کے بعد ملنے والی زندگی حتمی ہے‘ ہر شخص کو اس کی تیاری میں لگ جانا چاہیے۔ آپؐ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس دنیاوی زندگی کو کس طرح گزارا جائے‘ بلکہ آپؐ نے اپنا اندازِ زندگی گزار کر دکھا دیا کہ اس طرح زندگی گزارنا خالق کائنات کو پسند ہے۔ چنانچہ اس طرح زندگی گزارنے والوں کو اگلی زندگی میں وہ عیش وآرام ملے گا جس کا اس وقت تصور بھی نہیں ہو سکتا اور پھر وہ زندگی کبھی ختم نہ ہوگی۔ اُس زندگی کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب یعنی کھیل تماشا ہے۔ اس لیے اسے ”متاع الغرور“ کہا گیا ہے یعنی یہ محض دھوکا ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص کے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی غریب‘ فقیر‘ نادار ہے یا اس نے زندگی دکھوں میں گزار دی ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اگلی زندگی میں سدابہار نعمتوں والی زندگی پالے اور یہاں کا کوئی بادشاہ‘ امیر کبیر اور بڑی

حیثیت کا مالک اپنی بداعمالیوں کے سبب اس ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے عیش و آرام سے محروم رہ جائے اور خالقِ کائنات کی ناراضی کا نشانہ بنے اور سزا پائے۔

فیصلے کے دن اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ فیصلہ کریں گے‘ وہاں کسی کی رشتہ داری یا تعلق داری کام نہ آئے گی‘ بلکہ ہر کسی کا فیصلہ اس بات پر منحصر ہوگا کہ اس نے دنیاوی زندگی اچھے کاموں میں گزاری یا خالق کائنات کی نافرمانیوں میں لگا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب ہدایت قرآن مجید نازل کر کے پیشگی بتا دیا کہ نیک اعمال کرنے والوں کو کامیاب قرار دیا جائے گا اور اس کے نتیجے میں انہیں جنت میں آباد کیا جائے گا۔ اور وہ جنت اس قدر حسین اور دلکش ہے کہ اُس کا اندازہ محال ہے‘ کیونکہ اس میں ملنے والی نعمتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ (السجدۃ:۱۷)

’’پس کسی شخص کو نہیں معلوم کہ ان (اہلِ جنت) کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے۔‘‘

مزید برآں حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ ، مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ ، وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ)) (رواہ البخاری و مسلم‘ عن ابی ھریرۃ)

’’میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ جن کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا۔‘‘

الغرض جنت وہ جگہ ہے جہاں کسی طرح کی کمزوری نہیں۔ وہاں جوانی ہوگی‘ بڑھاپا نہیں ہوگا۔ خوشیاں ہوں گی‘ غم کا نام و نشان نہ ہوگا۔ انسان صحت مند رہے گا‘ کبھی بیمار نہ ہوگا۔ وہ زندگی ابدی ہوگی‘ موت نہ آئے گی۔ وہاں ملنے والی نعمتوں کو زوال نہ آئے گا‘ نہ کوئی مشقت ہوگی نہ تھکاوٹ۔ وہاں عزت ہی عزت ہوگی‘ ذلت نہ ہوگی۔ لازوال خوشیاں ہوں گی۔ زندگی میں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی پریشانی۔ بس عیش ہی عیش ہوگا۔ وہاں رونقیں اور لذتیں ہوں گی۔ کوئی دکھ اور پریشانی نہ ہوگی۔ غرض وہاں ہر خواہش مانگنے سے پہلے پوری ہو جائے گی۔

قرآن مجید میں جنت کی نعمتوں کو کسی قدر بیان کر دیا گیا ہے تاکہ دنیا کی زندگی لوگ اس انداز سے گزاریں کہ وہ مرنے کے بعد والی ابدی زندگی جنت میں گزار سکیں۔ دنیا کی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔ جو یہاں بویا جائے گا وہی آگے کاٹا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی دنیا

کی یہ زندگی گزاری۔ آپ ﷺ کی زندگی کو خالق کائنات نے لوگوں کے لیے بہترین نمونے کی زندگی قرار دیا۔ چنانچہ مشیتِ الٰہی سے آپ ﷺ کی وہ مثالی زندگی محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی‘ تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے دنیوی زندگی گزارنے کے انداز کی خبر نہ تھی۔ قرآن مجید میں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں یہ دنیاوی زندگی لہو و لعب کے سوا کچھ نہیں۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہے:

﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾

’’کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے۔‘‘

دنیا میں خدا فراموشی کے ساتھ مال جمع کرنا اور جائیدادیں بنانا عقل مندی نہیں۔ ہاں رازق کی دی ہوئی روزی کو اس کی مرضی کے مطابق اپنی جائز ضروریات پر یا مخلوقِ خدا کی مشکلات میں خرچ کیا جائے تو درست ہے۔ دنیا کے عیش و آرام میں گم ہو کر خوش ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ سورۃ الرعد میں ارشاد ہے:

﴿وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ﴾

’’اور وہ دنیا کی زندگی سے خوش ہو گئے‘ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں تھوڑے سے سامان کے سوا کچھ نہیں۔‘‘

مگر انسان ہے کہ اس کی ساری تگ و دو دنیا کی زندگی کو جنت بنانے کی تلاش میں گزر جاتی ہے اور اسی مشقت میں اسے موت آ جاتی ہے۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا:

﴿قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا﴾

’’پوچھو یہ بہتر ہے یا ہمیشہ کی جنت‘ جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے کیا گیا ہے؟ وہ ان کے لیے بدلہ اور ٹھکانہ ہوگی۔‘‘

نیز سورۃ الرعد میں فرمایا:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۡ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ﴾

''جنت کی مثال جس کا اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے' اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس کے پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہیں' جب کہ کافروں کا ٹھکانا آگ ہے۔''

دنیا کی زندگی میں سو طرح کے غم ہیں' بیماریاں ہیں' دکھ ہیں' بڑھاپا ہے' مشکلات ہیں' خوف ہے' بے سکونی ہے' طرح طرح کے خطرے اور ڈر ہیں' لڑائی جھگڑے ہیں' جبکہ جنت کی زندگی میں راحت' آرام اور امن وسکون ہے' ہر طرح کی نعمتیں اور سکھ ہیں' جو لازوال ہیں۔ کیا انسان کو زیب دیتا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی آسودگیاں تلاش کرتے کرتے اپنی لازوال ابدی زندگی کو بھول جائے؟ قرآن میں بار بار آیا ہے کہ جنت متقیوں کے لیے ہے' یعنی جنہوں نے دنیا کی زندگی اللہ سے ڈر کر گزاری کہ کہیں کوئی نافرمانی نہ ہو جائے۔ خدا فراموشی کی زندگی ہرگز پسندیدہ نہیں' بلکہ انتہائی خطرناک ہے۔ جنت کی بے مثال اور لازوال نعمتوں کو حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرنا چاہیے۔ جنت میں جانے والوں کا اکرام کیا جائے گا' انہیں وہاں خوش آمدید کہا جائے گا۔ سورۃ الزمر میں ارشاد ہے:

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾﴾

''اور جو لوگ اپنے رب سے ڈر کر رہے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لایا جائے گا' یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے گئے ہوں گے اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر' بہت اچھے رہے تم' پس داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو کر۔''

جنت میں جانے والوں کی نمایاں صفات میں تقویٰ' صبر اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور خوش اخلاقی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾﴾ (النباء)

''یقیناً اللہ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے۔ باغ اور انگور' اور نو خیز ہم عمر لڑکیاں' اور چھلکتے ہوئے جام۔ وہ اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور نہ کوئی

جھوٹی بات۔ یہ بدلہ ہوگا تیرے رب کی طرف سے جو کافی انعام ہوگا۔''

گویا جنت وہ مقام ہے جہاں کسی کی کوئی خواہش ایسی نہ ہوگی جو پوری نہ ہو۔ دنیا میں کبھی کوئی بادشاہ بھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہوگا کہ جس کی ہر تمنا پوری ہوگئی ہو گی۔ دنیا تو دکھوں کا گھر ہے' کسی کو بیماری نے پریشان کر رکھا ہے' کسی کی روزی تنگ ہے' کوئی مشقت میں زندگی گزار رہا ہے' کسی کو اولاد کی خواہش نا تمام ہے' کوئی نافرمان اولاد سے تنگ ہے' ہر کوئی اپنے پیاروں کی موت پر غمگین ہے۔ مگر جنت میں نہ تو کسی چیز کی کمی ہوگی اور نہ کوئی تمنا ایسی ہوگی جو پوری نہ ہو۔ جنت میں زندگی سدا بہار سلامتی' امن اور خوشیوں کی ہوگی۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر جنت کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾﴾ (الرعد)

''ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء واجداد' ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو صالح ہوں گے' وہ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے) تم لوگوں پر سلامتی ہو اس لیے کہ تم نے صبر کیا' پھر کتنا اچھا ہے یہ آخرت کا گھر۔''

قرآن مجید میں جنت کی عمدگی اس طرح بھی بیان کی گئی ہے:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾﴾ (محمد)

''جنت کی مثال جس کا وعدہ ڈرنے والوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں پانی کی نہریں ہوں گی جس میں تبدیلی نہیں ہوگی' اور ایسے دودھ کی نہریں جس کا مزہ بدلا نہیں ہوگا اور ایسی شراب کی نہریں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی' اور ایسے شہد کی نہریں جو صاف ہوگا۔ اور اس میں ان کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔''

جنت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝۱۶ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝۱۷ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۱۸ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝۲۰ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۱ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝۲۲ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝۲۳ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۴ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝۲۵ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝۲۶﴾ (الواقعة)

''(اہلِ جنت) مرصع تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کی محفلوں میں ابدی لڑکے' شراب چشمہ جاری سے لبریز پیالے' کنڑ اور ساغر لیے دوڑے پھرتے ہوں گے' جسے پی کر نہ ان کا سر چکرائے گا نہ ان کی عقل میں فتور آئے گا۔ اور وہ ان کے سامنے طرح طرح کے لذیذ پھل پیش کریں گے کہ جسے چاہیں چن لیں' اور پرندوں کے گوشت پیش کریں گے کہ جس پرندے کا چاہیں استعمال کریں۔ اور ان کے لیے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی' ایسی حسین جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ سب کچھ ان اعمال کی جزا کے طور پر انہیں ملے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ وہاں وہ کوئی بیہودہ کلام یا گناہ کی بات نہ سنیں گے' جو بات بھی ہوگی ٹھیک ٹھیک ہوگی۔''

جنت کے حالات بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝۱۷ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۱۸ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝۲۰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝۲۱ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۲ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝۲۳ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝۲۴﴾ (الطور)

''یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے والے باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ ان چیزوں سے لطف لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انہیں دے گا' اور ان کے رب نے انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیا۔ کھاؤ اور پیو مزے سے اپنے ان اعمال کی وجہ سے جو تم

کرتے تھے۔ وہ صف بہ صف تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی اس اولاد کو بھی ہم ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں رہن ہے جو اس نے کمائے ہیں۔ اور ہم ان کو لذیذ پھل اور گوشت دیتے رہیں گے اس میں سے جو وہ چاہیں گے۔ وہ اس میں ایک دوسرے سے جامِ شرب لپک کر لے رہے ہوں گے جس میں نہ کوئی یاوہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ کی بات۔ اور ان کی خدمت میں ایسے لڑکے دوڑتے پھریں گے گویا وہ چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہیں۔''

سورۃ الزخرف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

﴿يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝۶۸ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۶۹ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝۷۰ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۷۱ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷۲ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۳﴾

''میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمناک ہو گے۔ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار ہو گئے (ان سے کہا جائے گا) تم اور تمہاری بیویاں عزت کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ ان پر سونے کی رکابیوں اور پیالوں کا دور چلے گا' اور وہاں جو جی چاہے اور آنکھوں کو اچھا لگے (موجود ہوگا) اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنت جس کے تم مالک کر دیے گئے ہو تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔ اس میں تمہارے لیے بہت سے پھل ہیں جن کو تم کھاؤ گے۔''

جنت دراصل اولادِ آدم کی میراث ہے جس کا راستہ ہم سے کھو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ وہ وراثت ہم کیسے پا سکتے ہیں۔ جنت حاصل کرنے کا وہ راستہ پاک زندگی گزارنے کا طریقہ ہے جس میں فکر اور عقیدے کی پاکیزگی' رب کی عبادت' حقوق العباد کی ادائیگی اور زبان کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ طہارت کا اہتمام اور حسن اخلاق شامل ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا کی چند روزہ زندگی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہاں کی عیش و عشرت کے حصول میں لگ کر ابدی اور حقیقی زندگی کو فراموش کیے ہوئے ہیں اور جنت سے دور رکھنے والے کام اپنائے ہوئے ہیں۔ ❁❁

قانونِ وراثت:

قرآن حکیم کا تاکیدی اسلوب

حافظ محمد مشتاق ربانی

مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے جن قوانین کو بدلنے اور اس کی مقررہ کردہ حدوں کو توڑنے کی کوشش کی ہے ان میں احکامِ وراثت سب سے نمایاں ہیں۔ کہیں ''رواج'' کو شریعت پر ترجیح دے کر اور کہیں جہیز کو اس کا نعم البدل سمجھ کر عورت کو میراث سے محروم رکھا جاتا ہے۔ کئی دفعہ بڑا بیٹا ہی تنہا کُل جائیداد کا وارث بن کر دوسرے بہن بھائیوں کو اُن کے جائز حق سے محروم کر دیتا ہے۔ کبھی باپ اپنے کسی بیٹے کو جائیداد سے محروم کرنے کے لیے اسے عاق کر دیتا ہے (جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے)۔ یہ سب کچھ اس امر کے باوجود ہو رہا ہے کہ نظامِ وراثت کو قرآن حکیم میں نہایت ہی مؤکد انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آیاتِ میراث (سورۃ النساء) میں جو مختلف تاکیدی کلمات' جملے اور فقرات آئے ہیں' ذیل میں ان کی تفہیم پیش کی جا رہی ہے۔

☆ ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ﴾ (النساء:۷) ''اس میں سے (جو چھوڑیں ماں باپ اور قرابت والے) خواہ تھوڑا ہو یا بہت ہو''۔ یہ وراثت ہر صورت میں تقسیم ہونی چاہیے' خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ۔ میّت کی ملکیت جو چیز بھی ہو' چھوٹی ہو یا بڑی' کم ہو یا زیادہ' ہر چیز وارثوں میں تقسیم ہونی چاہیے۔

☆ ﴿نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾ ''یہ حصے (اللہ تعالیٰ کے) مقرر کیے ہوئے ہیں''۔ قرآن کے ان الفاظ سے ایک مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ وراثت کے ذریعہ جو ملکیت وارثوں کو ملتی ہے یہ ملکیت جبری ہے۔ اس میں نہ تو وراثت کا قبول کرنا شرط ہے اور نہ ہی وارث کا اس پر راضی ہونا ضروری ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے: الوارث لو اعرض عن نصیبہ لم یسقط حقہ ''اگر کوئی وارث یہ کہہ دے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تب بھی (شرعی اعتبار سے) وہ اپنے حق سے

محروم نہیں ہو سکتا''۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنا حق وصول نہ کرے۔

☆ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ﴾ (النساء:۱۱) ''اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے''۔ اس جملہ میں بتایا جا رہا ہے کہ یہ احکامِ وراثت خالقِ کائنات کے ارشاد کیے ہوئے ہیں' کسی انسان کے وضع کردہ نہیں ہیں۔ یہ اللہ کریم کی طرف سے ایک عظیم وصیت (تاکیدی حکم) ہے جس کا بجالانا ضروری ہے۔

☆ ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں''۔ یہاں ''فَرِيْضَةً'' حالت نصب میں ہے' جو تاکیدی اسلوب پیش کر رہا ہے۔ ''فَرِيْضَةً'' سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان حصوں میں کمی بیشی ممکن نہیں ہے اور اس حکم کی تعمیل ہر صورت لازمی ہے۔

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے''۔ قرآن حکیم نے یہ تنبیہہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانونِ وراثت اُس کے علم اور اُس کی حکمت پر مبنی ہے۔ اُس کا علم ہر چیز پر محیط ہے' کوئی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا: ﴿لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ﴾ (النساء:۱۱) ''تم نہیں جانتے کہ نفع رسانی میں کون سا رشتہ تم سے زیادہ قریب ہے''۔ اور وہ صاحب حکمت ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت موجود ہے' کوئی شخص اُس کی حکمت کی تمام باریکیوں کو سمجھ نہیں سکتا۔

☆ ﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اللہ کی طرف سے وصیت ہے''۔ یہاں وَصِيَّةً مصدر ہے اور حالت نصب میں ہے جو تاکید کا مفہوم دے رہا ہے۔ اُردو میں وصیت کا لفظ مرنے والے کے ساتھ مخصوص ہے لیکن عربی زبان میں اس مفہوم کے علاوہ کسی خاص بات کی طرف توجہ دلانے یا تاکیدی حکم کے لیے بھی وصیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ﴾ (العنکبوت:۸) ''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی وصیت کی ہے''۔

☆ ﴿غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ﴾ (النساء:۱۲) ''بشرطیکہ کسی کا نقصان نہ کیا گیا ہو''۔ مرنے والا اپنے ترکے میں ایک تہائی کی وصیت کر سکتا ہے اور اس کی اجازت صرف ان لوگوں کے لیے دی گئی ہے جو وارث نہیں ہیں' کیونکہ اگر وارث کے لیے بھی وصیت جائز رکھی جاتی تو میراث کے قوانین بے معنی ہو جاتے۔ صحیح الترمذی میں مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) ''اللہ تعالیٰ نے ہر

حقدار کا حصہ مقرر کر دیا ہے‘ اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیت کی اجازت نہیں۔‘‘ یہاں خاص طور پر کَلٰلَة کے حوالے سے ’’غَیْرَ مُضَآرٍّ‘‘ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس مورث کے اصول اور فروع میں کوئی نہ ہو اُس کے بارے میں زیادہ امکان ہے کہ وہ اپنی جائیداد ان لوگوں کی طرف منتقل ہونے کو روکے گا جس کی طرف اس کا میلان نہیں ہے‘ اگرچہ قانونی حقدار وہی ہیں۔ اس خطرناک رجحان کو روکنے کے لیے یہاں ’’غَیْرَ مُضَآرٍّ‘‘ کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ حدیث موقوف (ایسی روایت جس کی نسبت صحابی رسولؐ کی طرف کی جائے) میں اس قسم کے اضرار کو کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: ((اَلْاِضْرَارُ فِی الْوَصِیَّةِ مِنَ الْکَبَائِرِ)) (رواہ البیھقی فی الکبریٰ: ۲۷۱/۶) ’’وصیت میں نقصان رسانی بڑے گناہوں میں سے ہے۔‘‘

☆ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾﴾ ’’اور اللہ جاننے والا حلم والا ہے‘‘۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا اظہار دو اسباب سے کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اگر اُس کے قانون کی خلاف ورزی کی گئی تو اللہ کی گرفت سے کوئی انسان نہیں بچ سکتا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر ایک کا حال جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بندوں کی مصلحت اور فائدہ کس قانون میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حلم کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ یہ قوانینِ میراث مقرر کرنے میں سختی نہیں کی گئی۔ ایسے قوانین دیے گئے ہیں جن سے لوگ مشقت اور تنگی میں مبتلا نہ ہوں بلکہ سہولت اور آسانی والی زندگی بسر کریں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾﴾ (النساء) ’’اللہ تم پر پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے‘ اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔‘‘

☆ ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ﴾ (النساء: ۱۷۶) ’’(اے پیغمبرﷺ!) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے۔‘‘

کلالہ (جو بے اولاد ہو اور اس کے والدین میں سے بھی کوئی نہ ہو) کے باب میں لفظ ’’یُفْتِیْکُمْ‘‘ وارد ہوا ہے۔ اسی سے لفظ فتویٰ ہے‘ جو کسی مسئلہ کے بارے میں فقیہہ کے فیصلہ کو کہتے ہیں۔ کلالہ کے بارے میں بیان کردہ حکم کسی فقیہہ کا فتویٰ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ہے جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

☆ ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ﴾ (النساء: ۱۷۶) ’’اللہ تعالیٰ تمہارے لیے یہ (احکام وراثت اور دیگر) کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو‘‘۔ ’’اَنْ تَضِلُّوْا‘‘ یہاں ’’لِئَلَّا تَضِلُّوْا‘‘ کے معنی میں ہے۔

☆ ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾﴾ ’’اور اللہ ہر چیز سے بخوبی آگاہ ہے‘‘۔ یعنی وہ اپنے بندوں کی ضروریات سے بخوبی واقف ہے کہ اس کے بندوں کی کس طرح کے قوانین میں بھلائی ہے۔

☆ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ﴾ (النساء: ۱۳) ’’یہ اللہ کی حدیں ہیں‘‘۔ تِلْكَ دراصل یتم (یتیم ہونا)‘ نکاح اور وراثت کے احکام کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ النساء کی تقریباً ابتدائی آیات میں وارد ہوئے ہیں۔ ان احکامات کو اللہ تعالیٰ اپنی ’’حدود‘‘ قرار دے رہا ہے۔ جو شخص ان حدود کی پابندی کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾﴾

’’اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا‘ اللہ تعالیٰ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہیں‘ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے‘ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔‘‘

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾﴾

’’اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا‘ اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہوگا۔‘‘

یہ قوانینِ وراثت جن کو بیان کرنے میں قرآن حکیم میں اس قدر تاکیدی اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور ان پر عمل نہ کرنے پر بڑی سخت وعید سنائی گئی ہے‘ انہی قوانین پر ہم عمل کرنے سے گریزاں ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مسلمان اس جانب خصوصی توجہ دیں۔ وراثت کے شرعی احکام سے آگاہی حاصل کریں اور مسلم معاشرے کی پہچان بنانے کے لیے خود اپنی ذات سے ان پر عمل کرنے کا آغاز کریں۔ ❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

فریضہ اقامتِ دین:
اَسلاف کی آراء وتعامل (۲)

عبدالسلام عمر

فرضیتِ اقامتِ دین: اَسلاف کی آراء

دارالاسلام اور دارالکفر کا تصور

سلف کے ہاں ہمیں واضح طور پر دارالاسلام اور دارالکفر کا تصور ملتا ہے، جس کا ذکر درج ذیل ہے:

امام ابوحنیفہؒ کی رائے: حضرت امام ابوحنیفہؒ دارالکفر کی تین شرائط بیان فرماتے ہیں:

(۱) ان تعلوها احكام الكفر ''اس ملک میں غلبہ اور سربلندی کفریہ احکام کو حاصل ہو۔''

(۲) ذهاب الامان للمسلمين ''مسلمانوں کے لیے امان نہ رہے۔''

(۳) ان تكون تلك الدار مجاورة لدار الكفر، بحيث تكون مصدر خطر على مسلمين و سببا فى ذهاب الامن ''اس ملک کی سرحدیں دارالکفر سے ملتی ہوں اس طور سے کہ مسلمانوں کے لیے خطرات و نقضِ امن کا باعث ہو۔''

اسی بات کو صاحبینؒ نے مزید واضح کیا ہے: وافتى الامام محمد والامام ابو يوسف، صاحبا ابى حنيفةؒ ''اور فتویٰ دیا امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے جو شاگرد ہیں امام ابوحنیفہؒ کے۔''

(۱) بان حكم الدار تابع للاحكام تعلوها ''اس پر کہ کسی ریاست کا حکم تابع ہوگا ان احکام کے جن کی بالادستی وہاں مانی گئی ہو۔''

(۲) فان كانت الاحكام التى تعلوها هى احكام الاسلام، فهى دار الاسلام ''پھر

اگر وہ احکام جو اس ملک میں نافذ ہیں، اسلامی ہیں تو وہ ملک دارالاسلام کہلائے گا۔''

(۳) وان كانت الاحكام التى تعلوها هى احكام كفر، فهى دارالكفر ''اور اگر وہاں کفریہ احکامات نافذ ہیں تو وہ دارالکفر کہلائے گا۔'' (بدائع الصنائع للکاسانی، جزء اول، بحوالہ اقامتِ دین: فرضیت وطریقہ کار)

اسلامی حکومت کی تعریف

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ان امور کو مدِنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس حکومت کا نظامِ مملکت شریعتِ اسلامیہ کے ماتحت ہو، اس کے مطابق ہو اور حکومت کا مذہب من حیث الحکومت اسلام ہو اور اس حکومت کا دستور اور آئین قانونِ شریعت ہو اور حکومت من حیث الحکومت دل وجان سے دین سے اسلام کے اتباع کو فرض ولازم سمجھتی اور زبان سے بھی اس کا اقرار کرتی ہو۔''

دارالکفر اور دارالاسلام کے واضح تصور کے علاوہ جب مسلمانوں میں حکومتیں تو مسلمان حکمرانوں کی قائم ہوئیں مگر نظامِ زندگی شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نہ رہا، بلکہ اغیار (انگریزوں) کے نظامِ زندگی کے تحت مسلمانوں کی زندگیاں بسر ہونے لگیں، اور نہ صرف یہ کہ شریعت کی اہمیت بطور نظامِ زندگی قلوب واذہان سے گم ہوگئی بلکہ فی الحقیقت مغربی تعلیم کے پروردہ طبقہ کے ہاں اجتماعی نظام میں شریعت ''قابلِ عمل'' نہ رہی۔ اور مذہبی طبقات میں بھی ''استخفافِ شریعت'' کوئی بڑا گناہ نہ رہا۔ اس تیسری صورت کی وضاحت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہوئے ''حکومتِ ضالہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''اور اگر حکومت زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتی ہے، مگر در پردہ دیدہ ودانستہ بے دین لوگوں کے مشورہ سے ملک میں ایسے قوانین اور احکام جاری کرتی ہے کہ جو صریح کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہیں تو ایسی حکومت، حکومت نفاق ہے اور ایسی حکومت کے اربابِ اقتدار فی الحقیقت جنس کفار سے ہیں، احکامِ آخرت کے اعتبار سے ان میں اور کفار میں کوئی فرق نہیں۔ ایسی ریاست دین اسلام کے لیے سم قاتل ہے۔ ایسی سلطنت ضالہ کی مخالفت اور منازعت بقدرِ استطاعت شرعاً عقلاً فرض اور لازم ہے، بشرطیکہ اس ریاست اور اقتدار کے ختم ہوجانے کے بعد سلطنت عادلہ اور ریاست صالحہ کے قائم ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو۔''

☆ امام قرطبیؒ ''احکام القرآن'' میں نصب امامت کی فرضیت میں لکھتے ہیں:

ولا خلاف فی وجوب ذلك بين الامة ولا بين الائمة

''نصب امامت کے فرض ہونے میں امت اور ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔''

یہاں خلیفہ سے مراد حضرت ابن مسعودؓ ابن عباس اور تمام اہلِ تاویل کے نزدیک حضرت آدمؑ ہیں۔ وہی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر نافذ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں کیونکہ وہی زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔

یہ آیت امام اور خلیفہ قائم کرنے میں اصل ہے۔ ایسا خلیفہ اور امام جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تاکہ اس کے ساتھ کلمہ مجتمع رہے اور اس کے ساتھ خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔ امام اور خلیفہ کے وجوب کے متعلق اُمت کے ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں' مگر وہ قول جو اصم سے مروی ہے۔ یہ شریعت سے بھی اصم (بہرہ) تھا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جس نے اصم جیسا قول کیا اور اس کی رائے اور اس کے مذہب کی پیروی کی وہ شریعت میں بہرہ ہے۔ اصم کا قول ہے کہ دین میں خلیفہ واجب نہیں ہے بلکہ جائز ہے' جبکہ لوگ اپنا حج اور جہاد قائم کرتے ہوں' اپنے آپ میں انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوں اور حق کو اپنی طرف سے ادا کرتے ہوں' مالِ غنیمت' مالِ فے اور صدقات وغیرہ ان کے اہل اور مستحق لوگوں میں تقسیم کرتے ہوں اور جن لوگوں پر حدود واجب ہوں ان پر حدود جاری کرتے ہوں تو یہ ان کے لیے کافی ہے' ان پر امام متعین کرنا واجب نہیں ہے جو ان تمام امور کا والی ہو۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ﴾ (البقرۃ:۳۰) (میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ (صٓ:۲۶) (اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو نائب زمین میں) اور فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ (النور:۵۵) (وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں)۔ یہ تمام آیات اور ان کے علاوہ آیات ہمارے دلائل ہیں۔ پس یہ خلافت کے وجوب کی دلیل ہے اور یہ دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کا قوام اور اجتماع ہے۔'' (قرطبی' البقرۃ)

☆ ابن کثیرؒ' امام قرطبیؒ کی بات کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''امام قرطبی وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے' ان کے جھگڑے چکائے' مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے'

حدیں قائم کرے' برائیوں کے مرتکب لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے وغیرہ' وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے' لہٰذا خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ثابت ہوا۔'' (ابن کثیر' البقرۃ)

☆ امام ابن تیمیہؒ ''السیاسیة الشرعیة'' میں لکھتے ہیں:

يجب ان يعرف ان ولاية امر الناس من اعظم واجبات الدين لاقيام للدين الا بها

''اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ریاست وحکومت کا قیام دین کے عظیم ترین فرائض میں سے ہے' دین کا قیام (اقامتِ دین) اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔''

☆ علامہ ابن خلدونؒ نصبِ امامت کے واجب ہونے اور خلافت کی تعریف کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الخلافة نيابة عن صاحب الشريعة فی حفظ الدين و سياسية به تسمٰی خلافة و امامة ، و القائم به خليفة و اماما، فاما تسمية اماما فتشبيها بامام الصلاة فی اتباعه ولاقتداء به، ولهذا يقال : الامامة الكبرىٰ' واما تسمية خليفةً فلكونه يخلف النبی ﷺ فی امته .....ان نصب الامام واجب قد عرف وجوبه فی الشرع باجماع الصحابة والتابعين، لان اصحاب رسول اللّٰه ﷺ عند وفاته بادروا الٰی بيعة ابی بكر رضی اللہ عنہ و تسليم النظر اليه فی امورهم، وكذا فی كل عصر من بعد ذلك، ولم تترك الناس فوضٰی فی عصر من الاعصار، واستقر ذلك اجماعًا دالًا علٰی وجوب نصب الامام (مقدمة ابن خلدون)

''خلافت دین کی حفاظت کے لیے اور دنیا کی سیاست کے لیے صاحبِ شریعت کی جانشینی ہے' لہٰذا اس جانشینی اور نیابت کو خلافت اور امامت کہا جاتا ہے اور جو شخص اس کا انتظام کرتا ہے اسے خلیفہ اور امام کہتے ہیں۔ خلیفہ کو امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے امامِ نماز کے مشابہ قرار دیا گیا ہے کہ جیسے مقتدی کو اپنے امام کی پیروی کرنا لازم ہے اسی طرح تمام رعایا کو اپنے خلیفہ کی پیروی کرنا لازم ہے۔ اس لیے خلافت کو امامت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے' اور خلیفہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ امت میں پیغمبر ﷺ کی جانشینی کے فرائض انجام دیتا ہے..... امام کا تقرر ضروری ہے اور شریعت میں اس کا وجوب صحابہؓ وتابعینؒ کے اجماع سے ثابت ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کے ذریعے انہیں خلیفہ بنانے اور تمام انتظامات ان کے حوالے کرنے کافی

الفوراہتمام کیا تھا۔ پھر آپؐ کے بعد ہر زمانے میں ایسا ہی ہوتا رہا اور لوگوں کو کسی زمانہ میں بھی مطلق العنان اور خلیفہ کے بغیر آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ اس اعتبار سے تقرر خلیفہ پر امت کا اجماع ہے۔''

خلافت وامارت کی بحث اہل السنّت والجماعت کے نزدیک اگرچہ اصولِ دین میں سے نہیں، لیکن چونکہ روافض واہلِ بدعت نے اس میں بہت افراط وتفریط کی ہے، اس لیے علماءِ حق نے اس بحث کو علمِ کلام میں داخل کر دیا تا کہ حقیقتِ حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عبارات ملاحظہ ہوں:

☆ عقائد نسفیہ میں ہیں:

والمسلمون لا بُدَّ لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهيز جيوشهم و اخذ صدقاتهم (بحواله عقائد الاسلام)

''اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نصبِ امام کریں تا کہ وہ ان کی طرف سے احکاماتِ الٰہیہ کی تنفیذ کرے، شریعت کی حدود قائم کرے، اسلامی سلطنت کی حدود کی حفاظت کرے، جہاد کے لیے لشکروں کو تیار کرے اور لوگوں سے صدقات وصول کرے۔''

☆ صاحبِ درمختار لکھتے ہیں:

(الامامة) هي صغرىٰ و كبرىٰ استحقاق تصرف على الانام ، وتحقيقة في علم الكلام ونصبه اهم الواجبات، فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات ﷺ (بحواله عقائد الاسلام)

''امامت جو صغریٰ (نماز کی امامت) و کبریٰ (خلافت) ہوتی ہے اس کا نصب کرنا اہم ترین واجب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ نے اسے نبی مکرم ﷺ کی تدفین سے مقدم رکھا۔''

☆ امام ابن حزمؒ فرضیتِ امامتِ کبریٰ پر اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس اہم فرض سے اُمت میں کبھی بھی کوئی اختلاف نہ کر سکا، سوائے خوارج کے جو صرف حقوق کی ادائیگی کو کافی سمجھتے تھے۔

لم يخالف في هذا الامر فرقه من الخوارج فانهم قالو: لايلزم الناس فرض الامام انما عليهم ان يتغاطوا الحق بينهم ،هذه فرقة ما نرىٰ بقيي منهم احدًا (الملل و النحل، بحوالہ اقامت دین، فرضیت اور طریقہ کار)

''نصبِ امامت کے واجب ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے جس سے سوائے خوارج کے

کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اور ان (خوارج) کا کہنا یہ تھا کہ لوگوں پر امام کا نصب کرنا لازم نہیں، بلکہ ان پر فقط اس قدر ذمہ داری ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق برابر ادا کریں۔ اور ہمارے (ابن حزمؒ) خیال میں اس فرقہ میں سے آج کوئی موجود نہیں۔''

بدقسمتی ہے کہ آج اُمتِ مُسلمہ کی عظیم اکثریت کے خیالات مندرجہ بالا خوارج کے موقف سے قریب تر ہیں اور وہ اقامتِ دین کی جدّوجُہد کو نہ صرف یہ کہ ضروری خیال نہیں کرتے، بلکہ اسے ایک اضافی نیکی سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں ہیں۔

فرضیتِ اقامتِ دین: متاخرین علماء کی آراء

متقدمین کی آراء کے بعد ہم متاخرین میں سے چند نمایاں اکابر علماء کی آراء درج کرتے ہیں تا کہ صورتِ مسئلہ میں اس اُمت کے اول وآخر کی یکسانی واضح طور سامنے آ جائے۔

☆ شاہ ولی اللہؒ کی رائے: برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان خانوادے کی حیثیت بلاشبہ گل سرسبد کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں بعد کی تمام مساعی اُن کی مساعیٔ جمیلہ کا تسلسل ہے۔ پس سب سے پہلے ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی عظیم الشان آراء کو نقل کرتے ہیں۔ اس موضوع پر حضرت شاہ صاحب کی آراء جابجا ان کی تصانیف میں ملتی ہیں، مگر ان کی کتاب ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء اس موضوع پر جامع ترین کتاب قرار دی جا سکتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"آنکه معلوم بالقطع است از ملت محمديه علىٰ صاحبها الصلوات والتسليمات كه آنحضرت ﷺ چوں مبعوث شدند برائے كافه خلق الله، باايشاں معامله هاكردند تصرفها نمودند وبرائے هر معامله نواب تعين فرمودند و اهتمام عظيم در هرمعامله مبذول داشتد، چوں آں معاملات را استقراء نمائيم واز جزئيات بكليات واز كليات به كلى واحد كه شامل همه باشد انتقال كنيم، جنس اعلى آں "اقامت دين" باشد كه متضمن جميع كليات است وتحت وے اجناس ديگر باشند."

''یہ بات ملتِ محمدیہ ﷺ پر غور وفکر کرنے سے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام مخلوقِ الٰہی کے لیے بھیجے گئے تھے۔ تو آپ ﷺ نے مخلوق کے ساتھ بہت سے معاملات اور تصرفات فرمائے اور ہر معاملے کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا اور ہر معاملے میں عظیم اہتمام فرمایا ان معاملات کا جب ہم احاطہ کرتے ہیں اور جزئیات سے کلیات کی طرف اور پھر کلیات سے ایسے کلیہ واحد کی جانب منتقل ہوتے ہیں جو تمام امور

کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو وہ جنسِ اعلیٰ ''اقامتِ دین'' قرار پاتی ہے' جو تمام کلیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور بہت سی دیگر اجناس اس کے تحت آتی ہیں۔''

اسی کتاب میں شاہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ بجهاد و نصب امراء و بعث جيوش و سرايا وقيام آنحضرت ﷺ بقضاء در خصومات و نصب قضاة در بلاد اسلام و اقامت حدود وامر بالمعروف ونهى عن المنكر مستغنى از آن است كه تنبيه احتياج داشته باشد، و چوں آنحضرت ﷺ به رفيق اعلىٰ انتقال فرمودند واجب شد اقامت دين بهمان تفصيل كه گزشته و اقامت دين موقوف افتاد بر نصب شخصے كه اهتمام عظيم كردند در ايں امر۔''

''آنحضرت ﷺ کا جہاد کو قائم رکھنا' سرداروں کا مقرر کرنا' جیوش و سرایا کا روانہ کرنا' خصومات (جھگڑوں) میں فیصلہ کرنا' بلادِ اسلامیہ میں قاضیوں کا مقرر کرنا' حدود کا تعین کرنا' اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع فرمانا' یہ امور تفصیلی دلائل کے محتاج نہیں ہیں۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرمایا تو اسی تفصیل مذکورہ کے ساتھ دین کا قائم رکھنا واجب ٹھہرا اور اقامتِ دین موقوف تھا ایک ایسے شخص کے (خلیفہ) مقرر ہونے پر جو اس معاملے میں اہتمامِ عظیم کرے۔''

مزید فرماتے ہیں:

''خدائے تعالیٰ جهاد وقضاء و احيائے علوم و اقامت اركان اسلام ودفع كفار ازخودۂ اسلام فرض بالكفايه گردانيد، وآں همه بدون نصب امام صورت نگير د و مقدمه واجب است، كبار صحابه بريں وجه تنبيه نمود اند۔''

''خدا تعالیٰ نے جہاد کو' قضاء کو' علومِ دینیہ کے زندہ کرنے کو' ارکانِ اسلام کے قائم کرنے کو' بلادِ اسلامیہ سے کفار کے دفع کرنے کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے اور تمام امور امام (خلیفہ) کے مقرر کیے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتے۔ اور قاعدہ ہے کہ فرض کا حصول جس چیز پر موقوف ہو اس کا حصول بھی فرض قرار پائے گا اور اس قاعدہ پر بڑے بڑے صحابہ نے اُمت کو متنبہ کر دیا ہے۔''

☆ **مولانا اشرف علی تھانویؒ کی آراء:** مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ''الروضة الناضرة فى المسائل الحاضرة'' کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس میں حضرتؒ فرماتے ہیں:

''مدافعت کفار کی مطلقاً اہلِ اسلام سے اور خصوص سلطنتِ اسلامیہ سے' جس میں خلافت

وغیر خلافت اور جس میں سلطنتِ اسلامیہ واقعہ و سلطنتِ اسلامیہ مزعومہ کفار سب داخل ہیں۔ پھر خصوص شعار اسلام جن میں مقاماتِ مقدسہ بالخصوص حرمین شریفین بھی داخل ہیں' سب مسلمانوں پر فرض ہے' کبھی علی العین' کبھی علی الکفایہ علیٰ اختلاف الاحوال' مگر اس کی فرضیت کی کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ من جملہ ان کی ایک شرط استطاعت بھی ہے اور استطاعت سے مراد استطاعتِ لغویہ نہیں' استطاعتِ شرعیہ ہے' جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے۔

عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: ((مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ.....)) (صحيح مسلم' مشكوٰة' باب الامر بالمعروف)

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے' پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب متحقق ہوگی؟ اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت بظن غالب عادتاً ناممکن ہو۔ اسی طرح ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں' مثلاً کفار کی جگہ کفار ہی مسلط ہوں یا مرکب کافر و مسلم سے کہ مجموعہ تابع اخس کے ہوتا ہے' کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے۔''

اسی طرح ''امداد الفتاویٰ'' کی جلد ۵ میں ''جزل الكلام فى عزل الامام'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت تھانویؒ نے اس موضوع کی تمام احادیث اور فقہاء کرام کے اقوال کو یکجا کر کے اس مسئلے کو واضح فرما دیا ہے۔ حضرت کی اس بحث کا خلاصہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے یوں بیان فرمایا ہے:

''حضرت تھانویؒ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمران کے غیر اسلامی اقدامات کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے:

۱۔ حکمران کا فسق اس کی ذات تک محدود ہو' مثلاً شراب نوشی وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ''اگر بدوں کسی فتنے کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو' جدا کر دیا جائے' اگر فتنے کا اندیشہ ہو صبر کیا جائے'..... اور اگر نہی عن المنکر کی صورت میں اس پر کوئی خروج کرے تو عامۃ المسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے' خاص کر جب امام بھی حکم کرے۔ لقوله فى العبارة السادسة فاذا خرج جماعة المسلمون ..... الخ''

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فسق دوسروں تک متعدی ہو۔ یعنی لوگوں کا مال ناحق طریقے سے لینے لگے' لیکن اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہو سکتا ہے' جیسے مصالح سلطنت کے

نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ''اس میں اس کی اطاعت ہی واجب ہے' خروج جائز نہیں۔''

۳۔ایسا مالی ظلم کرے جس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو' بلکہ صریح ظلم ہو۔اس کا حکم یہ ہے کہ ''اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا' اگرچہ قتال کی نوبت آجائے.....اور صبر بھی جائز ہے' بلکہ غالباً اولیٰ ہے۔''

۴۔لوگوں کو معصیتوں پر مجبور کرے' مگر اس کا منشاء دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی نہ ہو' تو اس کا حکم یہ ہے کہ ''اس پر اکراہ کے وہ احکام جاری ہوں جو کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں' لیکن خروج جائز نہ ہوگا۔''

۵۔لوگوں کو معصیت پر مجبور کرے۔اس کا منشاء دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی ہو تو یہ کفر ہے' یا اگرچہ فی الحال تو اکراہ کا منشاء اکراہ استخفاف وغیرہ نہ ہو' لیکن اکراہ عام بشکل قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المآل ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جائے گا تو ایسا اکراہ بھی بحکم کفر ہے' ان تمام صورتوں میں وہی حکم ہوگا جو کفر بواح کا ہے۔اور جو چھٹی صورت میں آرہا ہے۔

(کہاں یہ کہ قوم کا دانشور طبقہ شعوری طور پر اور قوم کی اکثریت ہوائے نفس کی اتباع میں شریعت کو قابلِ عمل ہی نہ سمجھے اور آج کے قوانین کو وقت کا تقاضا اور ضرورت جانے۔)

(اضافہ از مرتب)

۶۔نعوذ باللہ کافر ہو جائے۔اور اس کا حکم یہ ہے کہ ''معزول ہو جائے گا۔اور جدا نہ ہو' بشرطِ قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے' مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو.....''

حکومت کا مقصدِ اصلی ''اقامتِ دین'' ہے:

حضرت تھانویؒ ''الافاضات الیومیہ'' میں فرماتے ہیں کہ:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾ (الحج)

''یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

''اگر ایسی نیت ہے تو کوشش کریں یعنی حدودِ شریعت کا تحفظ شرط ہے' مگر اب تو ایسا اطلاق ہو رہا ہے کہ شریعت کے خلاف ہو یا موافق (اس کی پرواہ ہی نہیں) تو ایسی حکومت تو فرعون اور

شداد کو بھی حاصل تھی۔حکومت سے اصل مقصود اقامتِ دین ہے اور تدابیر اس کے اسباب ہیں۔اگر دین مقصود نہیں' جیسا کہ آج کل حالت ظاہر ہے' تو لعنت ہے ایسی حکومت پر۔''

☆مفتی محمد شفیعؒ کی رائے:

''اقامتِ دین فرض اور اس میں تفرق حرام ہے:اس آیت میں دو حکم مذکور ہیں' ایک اقامتِ دین' دوسرے اس کا منفی پہلو یعنی اس میں تفرق کی ممانعت۔جبکہ جمہور مفسرین کے نزدیک اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ میں حرف اَنْ تفسیر کے لیے ہے تو دین کے معنی متعین ہو گئے کہ مراد وہی دین ہے جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک چلا آرہا ہے' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دین مشترک بین الانبیاء اصولِ عقائد یعنی توحید' رسالت' آخرت پر ایمان اور اصولِ عبادات' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی پابندی ہے۔نیز چوری' ڈاکہ' زنا' جھوٹ' فریب' دوسروں کو بلاوجہ شرعی ایذاء دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے' جو سب ادیانِ سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔اور یہ بھی نص قرآن سے ثابت ہے کہ فروعی احکام میں انبیاء کی شریعتوں میں جزوی اختلاف بھی ہیں' جیسا کہ ارشاد ہے (آیت) لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملہ میں جس دین کی اقامت کا حکم اور اس میں تفرق کی ممانعت مذکور ہے' وہ وہی احکامِ الٰہیہ ہیں جو سب انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔انہی میں تفرق و اختلاف حرام اور موجبِ ہلاکتِ اُمم ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں حکم اس دین مشترک اور متفق علیہ کے قائم رکھنے کا ہے' جس پر تمام انبیاء علیہم السلام متفق اور مشترک چلے آئے ہیں۔اس میں اختلاف کو تفرق کے لفظ سے تعبیر کر کے ممنوع کیا گیا ہے۔انہی قطعی احکام میں اختلاف و تفرق کو احادیث مذکورہ میں ایمان کے لیے خطرہ اور سببِ ہلاکت فرمایا ہے۔

اور اقامت دین سے مراد' اس پر قائم دائم رہنا' اس میں کسی شک و شبہ کو راہ نہ دینا' اور کسی حال اس کو نہ چھوڑنا ہے۔'' (قرطبی)

☆مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی رائے:

''یعنی سب انبیاء اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دینِ الٰہی کو اپنے قول و عمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کے تفریق و اختلاف کو روا نہ رکھیں۔''

تفسیرِ عثمانی میں سورۂ بنی اسرائیل' آیت ۸۰ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا' یعنی جہاں مجھے پہنچانا

ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا رہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل وخوار اور دوست شاداں وفرحاں ہوں اور بہرصورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔

اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔ یعنی غلبہ اور تسلّط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد ونصرت ہو‘ تا کہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل وپست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہو‘ سماوی یا ارضی‘ اس کے نفاذ کے لیے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل وبراہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد وعناد پر قائم رہیں ان کے ضرر وفساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لیے سورۃ الحدید میں فرمایا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الیٰ آخرھا﴾ (الحدید: ۲۵)

☆ **شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ کی رائے:** سورۃ محمدؐ آیت ۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’اس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ اقامتِ دین‘ اس کی طرف دعوت اور اس کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد کریں‘ اور ان کی ساری کدوکاوش کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ اگر انہوں نے ایسے کیا تو وہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا‘ یعنی صبر وطمانیت اور استقلال کے ساتھ ان کے دلوں کو تقویت بخشے گا‘ ان کے جسموں کو قوتِ صبر سے نوازے گا اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرے گا۔ سچے وعدے والے ربّ کریم کا وعدہ ہے کہ جو بھی اپنے اقوال وافعال کے ذریعے اس کی مدد کرے گا وہ ضرور اس کی مدد کرے گا‘ اور نصرت وتائید کے اسباب‘ ثابت قدمی وغیرہ اس کے لیے آسان کر دے گا۔‘‘

اسی آیت کے ذیل میں تفسیر ’’اضواء البیان‘‘ میں شیخ شنقیطیؒ نے لکھا ہے:

’’اہلِ ایمان کے اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے دین اور کتاب کی مدد کریں‘ اس کے کلمہ کی سربلندی‘ احکام کی تعمیل‘ نواہی سے اجتناب اور حضرت محمد ﷺ پر نازل کردہ شریعت کی لوگوں پر حکمرانی کی خاطر سعی وکوشش اور جہاد کریں۔‘‘

☆ **مولانا ابوالکلام آزادؒ کی رائے:**

’’(سورۃ الشوریٰ) آیت ۱۳ میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا نام لے کر بتا دیا کہ سب کو ایک ہی دین دے کر بھیجا گیا تھا۔ یہ دین محض چند اصول وعقائد ہی کا نام نہیں‘ بلکہ اس میں شرائع

کے بنیادی احکام بھی داخل ہیں‘ جیسا کہ سورۃ البینہ میں فرمایا: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵﴾ یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں‘ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اسی طرح محرماتِ شرعیہ کو تکمیلِ دین قرار دیا ہے (المائدہ: ۳) اور پھر آیت ۲۹ سورۃ التوبہ میں اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ حلال وحرام کے احکام کو ماننا بھی دین میں داخل ہے اور سورۃ النور میں حدودِ الٰہیہ کے قیام کو دین قرار دیا ہے‘ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوج داری احکام بھی دین میں داخل ہیں۔

الغرض یہ الدین کا اجمالی خاکہ ہے جس کی طرف دعوت دینے اور اسے قائم کرنے کے لیے پیغمبر بھیجے گئے۔ نبی ﷺ بھی اسی دین کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے۔ یہ دعوت مشرکین پر گراں گزرتی‘ اس بنا پر کبھی تو وہ نبی ﷺ کی نبوت پر اعتراض کرتے اور کبھی مصالحت کا اظہار کر کے کچھ نرمی اختیار کرنے کو کہتے‘ مگر نبی ﷺ استقامت کے ساتھ ان مخالفانہ حربوں کو برداشت کرتے رہے اور دین کے معاملہ میں کسی قسم کی رواداری اور مداہنت سے کام نہ لیا۔‘‘ (ترجمان القرآن)

☆ **مولانا مودودیؒ کی رائے:**

’’یہاں اسی بات کو پھر زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو پہلی آیت میں ارشاد ہوئی تھی۔ اس میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ محمد ﷺ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں‘ نہ انبیاء میں سے کوئی اپنے کسی الگ مذہب کا بانی گزرا ہے‘ بلکہ اللہ کی طرف سے ایک ہی دین ہے جسے شروع سے تمام انبیاء پیش کرتے چلے آ رہے ہیں‘ اور اسی کو محمد ﷺ بھی پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے جو طوفان کے بعد موجودہ نسل انسانی کے اولین پیغمبر تھے‘ اس کے بعد نبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے جو آخری نبی ہیں‘ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے جنہیں اہل عرب اپنا پیشوا مانتے تھے‘ اور آخر میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی طرف یہودی اور عیسائی اپنے مذہب کو منسوب کرتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ انہی پانچ انبیاء کو اس دین کی ہدایت کی گئی تھی‘ بلکہ اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ دنیا میں جتنے انبیاء بھی آئے ہیں‘ سب ایک ہی دین لے کر آئے ہیں‘ اور نمونے کے طور پر ان پانچ جلیل القدر انبیاء کا نام لے دیا گیا ہے جن سے دنیا کو معروف ترین آسمانی شریعتیں ملی ہیں۔

یہ آیت چونکہ دین اور اس کے مقصود پر بڑی اہم روشنی ڈالتی ہے‘ اس لیے ضروری ہے کہ اس

پر پوری طرح غور کر کے اسے سمجھا جائے:

فرمایا کہ ﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ ''مقرر کیا تمہارے لیے''۔ شرع کے لغوی معنی راستہ بنانے کے ہیں' اور اصطلاحاً اس سے مراد طریقہ اور ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا ہے۔ عربی زبان میں اسی اصلاحی معنی کے لحاظ سے تشریع کا لفظ قانون سازی (Legislation) کا' شرع اور شریعت کا لفظ قانون (Law) کا' شارع کا لفظ واضع قانون (Law giver) کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ یہ تشریع خداوندی دراصل فطری اور منطقی نتیجہ ہے ان اصولی حقائق کا جو قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں کہ اللہ ہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے' اور وہی انسان کا حقیقی ولی ہے' اور انسانوں کے درمیان جس امر میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اسی کا کام ہے۔ اب چونکہ اصولاً اللہ ہی مالک اور ولی اور حاکم ہے' اس لیے لامحالہ وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ انسان کے لیے قانون وضابطہ بنائے اور اسی کی یہ ذمہ داری ہے کہ انسانوں کو یہ قانون وضابطہ دے۔ چنانچہ اپنی اس ذمہ داری کو اس نے یوں ادا کر دیا ہے۔

پھر فرمایا ﴿مِنَ الدِّيْنِ﴾ ''از قسم دین''۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا ترجمہ ''از آئین'' کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تشریع فرمائی ہے اس کی نوعیت آئین کی ہے۔ لفظ ''دین'' کی جو تشریح ہم اس سے پہلے سورۃ زمر' حاشیہ نمبر ۳ میں کر چکے ہیں وہ اگر نگاہ میں رہے تو یہ سمجھنے میں کوئی الجھن پیش نہیں آ سکتی کہ دین کے معنی ہی کسی کی سیادت و حاکمیت تسلیم کر کے اس کے احکام کی اطاعت کرنے کے ہیں۔ اور جب یہ لفظ طریقے کے معنی میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جسے آدمی واجب الاتباع اور جس کے مقرر کرنے والے کو مطاع مانے۔ اس بنا پر اللہ کے مقرر کیے ہوئے اس طریقے کو دین کی نوعیت رکھنے والی تشریع کہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی حیثیت محض سفارش (Recommendation) اور وعظ ونصیحت کی نہیں ہے' بلکہ یہ بندوں کے لیے ان کے مالک کا واجب الاطاعت قانون ہے جس کی پیروی نہ کرنے کے معنی بغاوت کے ہیں اور جو شخص اس کی پیروی نہیں کرتا وہ دراصل اللہ کی سیادت و حاکمیت اور اپنی بندگی کا انکار کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان سب انبیاء کو دین کی نوعیت رکھنے والی یہ تشریع اس ہدایت اور تاکید کے ساتھ دی گئی تھی کہ ﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾۔ اس فقرے کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''قائم کنید دین را'' کیا ہے' اور شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ''قائم رکھو دین کو''۔ یہ دونوں ترجمے درست ہیں۔ اقامت کے معنی قائم کرنے کے بھی ہیں اور قائم رکھنے کے بھی' اور انبیاء علیہم السلام ان دونوں ہی کاموں پر مامور تھے۔ ان کا پہلا فرض یہ تھا

کہ جہاں یہ دین قائم نہیں ہے وہاں اسے قائم کریں اور دوسرا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ قائم ہو جائے یا پہلے سے قائم ہو وہاں اسے قائم رکھیں۔ ظاہر بات ہے کہ قائم رکھنے کی نوبت آتی ہی اس وقت ہے جب ایک چیز قائم ہو چکی ہو۔ ورنہ پہلے اسے قائم کرنا ہوگا' پھر یہ کوشش مسلسل جاری رکھنی پڑے گی کہ وہ قائم رہے۔

اب ہمارے سامنے دو سوالات آتے ہیں۔ ایک یہ کہ دین کو قائم کرنے سے مراد کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ خود دین سے کیا مراد ہے جسے قائم کرنے اور پھر قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے؟ ان دونوں باتوں کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

قائم کرنے کا لفظ جب کسی مادی یا جسمانی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بیٹھے کو اٹھانا ہوتا ہے' مثلاً کسی انسان یا جانور کو اٹھانا۔ یا پڑی ہوئی چیز کو کھڑا کرنا ہوتا ہے' جیسے بانس یا ستون کو قائم کرنا۔ یا کسی چیز کے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کر کے بلند کرنا ہوتا ہے' جیسے کسی خالی زمین میں عمارت قائم کرنا۔ لیکن جو چیزیں مادی نہیں' بلکہ معنوی ہوتی ہیں ان کے لیے جب قائم کرنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اس چیز کی محض تبلیغ کرنا نہیں' بلکہ اس پر کما حقہ عمل درآمد کرنا' اسے رواج دینا اور اسے عملاً نافذ کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی حکومت قائم کی تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس نے اپنی حکومت کی طرف دعوت دی' بلکہ یہ ہوتے ہیں کہ اس نے ملک کے لوگوں کو اپنا مطیع کر لیا اور حکومت کے تمام شعبوں کی ایسی تنظیم کر دی کہ ملک کا سارا انتظام اس کے احکام کے مطابق چلنے لگا۔ اسی طرح جب ہم کہتے ہیں کہ ملک میں عدالتیں قائم ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انصاف کرنے کے لیے منصف مقرر ہیں اور وہ مقدمات کی سماعت کر رہے ہیں اور فیصلے دے رہے ہیں' نہ یہ کہ عدل وانصاف کی خوبیاں خوب خوب بیان کی جا رہی ہیں اور لوگ ان کے قائل ہو رہے ہیں۔ اسی طرح جب قرآن مجید میں حکم دیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو تو اس سے مراد نماز کی دعوت وتبلیغ نہیں ہوتی' بلکہ یہ ہوتی ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط کے ساتھ نہ صرف خود ادا کرو' بلکہ ایسا انتظام کرو کہ وہ اہل ایمان میں باقاعدگی کے ساتھ رائج ہو جائے۔ مسجدیں ہوں' جمعہ و جماعت کا اہتمام ہو' وقت کی پابندی کے ساتھ اذانیں دی جائیں' امام اور خطیب مقرر ہوں' اور لوگوں کو وقت پر مسجدوں میں آنے اور نماز ادا کرنے کی عادت پڑ جائے۔ اس تشریح کے بعد یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ سکتی کہ انبیاء علیہم السلام کو جب اس دین کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس سے مراد صرف اتنی بات نہ تھی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں' اور اتنی بات بھی نہ تھی کہ وہ دوسروں میں اس کی تبلیغ کریں

تا کہ لوگ اس کا برحق ہونا تسلیم کرلیں' بلکہ یہ تھی کہ جب لوگ اسے تسلیم کرلیں تو اس سے آگے قدم بڑھا کر پورا کا پورا دین ان میں عملاً رائج اور نافذ کیا جائے تا کہ اس کے مطابق عمل درآمد ہونے لگے اور ہوتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ دعوت وتبلیغ اس کام کا لازمی ابتدائی مرحلہ ہے جس کے بغیر دوسرا مرحلہ پیش نہیں آ سکتا۔ لیکن ہر صاحبِ عقل آدمی خود دیکھ سکتا ہے کہ اس حکم میں دعوت وتبلیغ کو مقصود کی حیثیت نہیں دی گئی ہے' بلکہ دین قائم کرنے اور قائم رکھنے کو مقصود قرار دیا گیا ہے۔ دعوت وتبلیغ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ضرور ہے' مگر بجائے خود مقصد نہیں ہے' کجا کہ کوئی شخص اسے انبیاءؑ کے مشن کا مقصد وحید قرار دے بیٹھے۔

اب دوسرے سوال کو لیجیے۔ بعض لوگوں نے دیکھا کہ جس دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک ہے' اور شریعتیں ان سب کی مختلف رہی ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا﴾ 'اس لیے انہوں نے یہ رائے قائم کرلی کہ لامحالہ اس دین سے مراد شرعی احکام وضوابط نہیں ہیں بلکہ صرف توحید و آخرت اور کتاب ونبوت کا ماننا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا ہے' یا حد سے حد اس میں وہ موٹے موٹے اخلاقی اصول شامل ہیں جو سب شریعتوں میں مشترک رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی سطحی رائے ہے جو محض سرسری نگاہ سے دین کی وحدت اور شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر قائم کرلی گئی ہے' اور یہ ایسی خطرناک رائے ہے کہ اگر اس کی اصلاح نہ کر دی جائے تو آگے بڑھ کر بات دین وشریعت کی اس تفریق تک جا پہنچے گی جس میں مبتلا ہو کر سینٹ پال نے دین بلا شریعت کا نظریہ پیش کیا اور سیّدنا مسیح علیہ السلام کی امت کو خراب کر دیا۔ اس لیے کہ جب شریعت دین سے الگ ایک چیز ہے' اور حکم صرف دین کو قائم کرنے کا ہے نہ کہ شریعت کو' تو لامحالہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح شریعت کو غیر اہم اور اس کی اقامت کو غیر مقصود بالذات سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے اور صرف ایمانیات اور موٹے موٹے اخلاقی اصولوں کو لے کر بیٹھ جائیں گے۔ اس طرح کے قیاسات سے دین کا مفہوم متعین کرنے کے بجائے آخر کیوں نہ ہم خود اللہ کی کتاب سے پوچھ لیں کہ جس دین کو قائم کرنے کا حکم یہاں دیا گیا ہے' آیا اس سے مراد صرف ایمانیات اور بڑے بڑے اخلاقی اصول ہی ہیں' یا شرعی احکام بھی۔ قرآن مجید کا جب ہم تتبع کرتے ہیں تو اس میں جن چیزوں کو دین میں شمار کیا گیا ہے ان میں حسب ذیل چیزیں بھی ہمیں ملتی ہیں:

۱) ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾ (البیّنۃ' آیت ۵) ''اور ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات

کا کہ یکسو ہو کر اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں اور زکوٰۃ دیں' اور یہی راست رو ملت کا دین ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ اس دین میں شامل ہیں' حالانکہ ان دونوں کے احکام مختلف شریعتوں میں مختلف رہے ہیں۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمام پچھلی شریعتوں میں نماز کی یہی شکل و ہیئت' یہی اس کے اجزاء' یہی اس کی رکعتیں' یہی اس کا قبلہ' یہی اس کے اوقات' اور یہی اس کے دوسرے احکام رہے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے متعلق بھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ تمام شریعتوں میں یہی اس کا نصاب' یہی اس کی شرحیں' اور یہی اس کی تحصیل اور تقسیم کے احکام رہے ہیں۔ لیکن اختلافِ شرائع کے باوجود اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں کو دین میں شمار کر رہا ہے۔

۲) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ..... اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .....﴾ (المائدہ:۳) ''تمہارے لیے حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور وہ جو گلا گھٹ کر' یا چوٹ کھا کر' یا بلندی سے گر کر' یا ٹکر کھا کر مرا ہو' یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو' سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کرلیا' اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمہارے لیے حرام کیا گیا کہ تم پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب کام فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے' لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو' بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا.....'' اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب احکامِ شریعت بھی دین ہی ہیں۔

۳) ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ (التوبہ:۲۹) ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے''۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ حلال وحرام کے ان احکام کو ماننا اور ان کی پابندی کرنا بھی دین ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیے ہیں۔

۴) ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ﴾ (النور:۲) ''زانیہ عورت اور مرد' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملہ میں تم کو دامن گیر نہ ہو' اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو''۔ ﴿مَا كَانَ لِيَاْخُذَ

اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ﴾ (یوسف:۷۶) یوسفؑ اپنے بھائی کو بادشاہ کے دین میں پکڑ لینے کا مجاز نہ تھا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ فوجداری قانون بھی دین ہے۔ اگر آدمی خدا کے فوجداری قانون پر چلے تو وہ خدا کے دین کا پیرو ہے اور اگر بادشاہ کے قانون پر چلے تو وہ بادشاہ کے دین کا پیرو۔

یہ چار تو وہ نمونے ہیں جن میں شریعت کے احکام کو بالفاظِ صریح دین سے تعبیر کیا گیا ہے' لیکن اس کے علاوہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی دھمکی دی ہے (مثلاً زنا' سود خواری' قتلِ مومن' یتیم کا مال کھانا' باطل طریقوں سے لوگوں کے مال لینا' وغیرہ)' اور جن جرائم کو خدا کے عذاب کا موجب قرار دیا ہے (مثلاً عمل قومِ لوطؑ اور لین دین میں قومِ شعیبؑ کا رویہ) ان کا سدِّ باب لازماً دین ہی میں شمار ہونا چاہیے' اس لیے کہ دین اگر جہنم اور عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے نہیں آیا ہے تو اور کس چیز کے لیے آیا ہے؟ اسی طرح وہ احکامِ شریعت بھی دین ہی کا حصہ ہونے چاہئیں جن کی خلاف ورزی کو خلود فی النار کا موجب قرار دیا گیا ہے' مثلاً میراث کے احکام' جن کو بیان کرنے کے بعد آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴﴾ (النساء) ''جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا' اللہ اس کو دوزخ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے''۔ اسی طرح جن چیزوں کی حرمت اللہ تعالیٰ نے پوری شدت اور قطعیت کے ساتھ بیان کی ہے' مثلاً ماں بہن اور بیٹی کی حرمت' شراب کی حرمت' چوری کی حرمت' جوئے کی حرمت' جھوٹی شہادت کی حرمت' ان کی تحریم کو اگر اقامتِ دین میں شامل نہ کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ غیر ضروری احکام بھی دے دیے ہیں جن کا اجراء مقصود نہیں ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے' مثلاً روزہ اور حج' ان کی اقامت کو بھی محض اس بہانے اقامتِ دین سے خارج نہیں کیا جاسکتا کہ رمضان کے ۳۰ روزے تو پچھلی شریعتوں میں نہ تھے' اور کعبے کا حج تو صرف اس شریعت میں تھا جو اولادِ ابراہیم علیہ السلام کی اسماعیلی شاخ کو ملی تھی۔

دراصل ساری غلط فہمی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ آیت: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (ہم نے تم میں سے ہر امت کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کر دی) کا الٹا مطلب لے کر اسے یہ معنی پہنا دیے گئے ہیں کہ شریعت چونکہ ہر امت کے لیے الگ تھی' اور حکم صرف اس دین کے قائم کرنے کا دیا گیا ہے جو تمام انبیاءؑ کے درمیان

مشترک تھا' اس لیے اقامت دین کے حکم میں اقامت شریعت شامل نہیں ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس آیت کا مطلب اس کے بالکل برعکس ہے۔ سورۂ مائدہ میں جس مقام پر یہ آیت آئی ہے اس کے پورے سیاق وسباق کو آیت ۴۱ سے آیت ۵۰ تک اگر کوئی شخص بغور پڑھے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نبی کی اُمت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ اُس امت کے لیے دین تھی اور اس کے دورِ نبوت میں اسی کی اقامت مطلوب تھی۔ اور اب چونکہ سیدنا محمد ﷺ کا دورِ نبوت ہے' اس لیے اُمتِ محمدیہ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ اس دور کے لیے دین ہے اور اس کا قائم کرنا ہی دین کا قائم کرنا ہے۔ رہا ان شریعتوں کا اختلاف' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعتیں باہم متضاد تھیں' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جزئیات میں حالات کے لحاظ سے کچھ فرق رہا ہے۔ مثال کے طور پر نماز اور روزے کو دیکھئے۔ نماز تمام شریعتوں میں فرض رہی ہے' مگر قبلہ ساری شریعتوں کا ایک نہ تھا' اور اس کے اوقات اور رکعات اور اجزاء میں بھی فرق تھا۔ اسی طرح روزہ ہر شریعت میں فرض تھا' مگر رمضان کے ۳۰ روزے دوسری شریعتوں میں نہ تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ مطلقاً نماز اور روزہ تو اقامتِ دین میں شامل ہے' مگر ایک خاص طریقے سے نماز پڑھنا اور خاص زمانے میں روزہ رکھنا اقامتِ دین سے خارج ہے۔ بلکہ اس سے صحیح طور پر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر نبی کی امت کے لیے اس وقت کی شریعت میں نماز اور روزے کے لیے جو قاعدے مقرر کیے گئے تھے انہی کے مطابق اس زمانے میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا دین قائم کرنا تھا' اور اب اقامت دین یہ ہے کہ ان عبادتوں کے لیے شریعت محمدیہ میں جو طریقہ رکھا گیا ہے ان کے مطابق انہیں ادا کیا جائے۔ انہی دو مثالوں پر دوسرے تمام احکامِ شریعت کو بھی قیاس کر لیجیے۔

قرآن مجید کو جو شخص بھی آنکھیں کھول کر پڑھے گا اسے یہ بات صاف نظر آئے گی کہ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو کفر اور کفار کی رعیت فرض کر کے مغلوبانہ حیثیت میں مذہبی زندگی بسر کرنے کا پروگرام نہیں دے رہی ہے' بلکہ یہ علانیہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دین حق کو فکری' اخلاقی' تہذیبی اور قانونی وسیاسی حیثیت سے غالب کرنے کے لیے جان لڑا دیں' اور ان کو انسانی زندگی کی اصلاح کا وہ پروگرام دیتی ہے جس کے بہت بڑے حصے پر صرف اسی صورت میں عمل کیا جاسکتا ہے جب حکومت کا اقتدار اہل ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ یہ کتاب اپنے نازل کیے جانے کا مقصد یہ بیان کرتی ہے کہ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط﴾

(النساء:۱۰۵) ''اے نبیؐ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تم پر نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اُس روشنی میں جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے''۔ اس کتاب میں زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے جو احکام دیے گئے ہیں وہ صریحاً اپنے پیچھے ایک ایسی حکومت کا تصور رکھتے ہیں جو ایک مقرر قاعدے کے مطابق زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین تک پہنچانے کا ذمہ لے (التوبہ:۶۰،۱۰۳) اس کتاب میں سود کو بند کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اور سود خواری جاری رکھنے والوں کے خلاف جو اعلانِ جنگ کیا گیا ہے (البقرۃ:۲۷۵۔۲۷۹) وہ اُسی صورت میں روبعمل آ سکتا ہے جب ملک کا سیاسی اور معاشی نظام پوری طرح اہل ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ اس کتاب میں قاتل سے قصاص لینے کا حکم (البقرۃ:۱۷۸)، چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم (المائدۃ:۳۸)، زنا اور قذف پر حد جاری کرنے کا حکم (النور:۲۔۴) اس مفروضے پر نہیں دیا گیا ہے کہ ان احکام کے ماننے والے لوگوں کو کفار کی پولیس اور عدالتوں کے ماتحت رہنا ہوگا۔ اس کتاب میں کفار سے قتال کا حکم (البقرۃ:۱۹۰۔۲۱۶) یہ سمجھتے ہوئے نہیں دیا گیا کہ اس دین کے پیرو کفر کی حکومت میں فوج بھرتی کر کے اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ اس کتاب میں اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کا حکم (التوبہ:۲۹) اس مفروضے پر نہیں دیا گیا ہے کہ مسلمان کافروں کی رعایا ہوتے ہوئے ان سے جزیہ وصول کریں گے اور ان کی حفاظت کا ذمہ لیں گے۔ اور یہ معاملہ صرف مدنی سورتوں ہی تک محدود نہیں ہے، مکی صورتوں میں بھی دیدۂ بینا کو علانیہ یہ نظر آ سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے جو نقشہ پیش نظر تھا وہ دین کے غلبہ و اقتدار کا تھا، نہ کہ کفر کی حکومت کے تحت دین اور اہلِ دین کے ذمی بن کر رہنے کا۔

سب سے بڑھ کر جس چیز سے تعبیر کی یہ غلطی متصادم ہوتی ہے وہ خود رسول اللہ ﷺ کا وہ عظیم الشان کام ہے جو حضورؐ نے ۲۳ سال کے زمانۂ رسالت میں انجام دیا۔ آخر کون نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے تبلیغ اور تلوار دونوں سے پورے عرب کو مسخر کیا اور اُس میں ایک مکمل حکومت کا نظام ایک مفصل شریعت کے ساتھ قائم کر دیا جو اعتقادات اور عبادات سے لے کر شخصی کردار، اجتماعی اخلاق، تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت اور صلح و جنگ تک زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی تھی۔ اگر حضور ﷺ کے اس پورے کام کو ''اقامتِ دین'' کے اس حکم کی تفسیر نہ مانا جائے جو اس آیت کے مطابق تمام انبیاء سمیت آپ کو دیا گیا تھا، تو پھر اس کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں۔ یا تو معاذ اللہ حضور ﷺ پر یہ الزام عائد کیا جائے کہ آپ مامور تو صرف ایمانیات اور اخلاق کے موٹے موٹے اصولوں کی محض تبلیغ و دعوت پر ہوئے تھے، مگر آپؐ نے اس سے تجاوز کر کے بطور خود ایک حکومت قائم کر دی اور ایک مفصل قانون بنا ڈالا جو شرائع انبیاء کی قدر مشترک سے مختلف بھی تھا اور زائد بھی۔ یا پھر

اللہ تعالیٰ پر یہ الزام رکھا جائے کہ وہ سورۂ شوریٰ میں مذکورہ بالا اعلان کر چکنے کے بعد خود اپنی بات سے منحرف ہو گیا اور اس نے اپنے آخری نبی سے نہ صرف وہ کام لیا جو اس سورۃ کی اعلان کردہ ''اقامت دین'' سے بہت کچھ زائد اور مختلف تھا، بلکہ اس کام کی تکمیل پر اپنے پہلے اعلان کے خلاف یہ دوسرا اعلان بھی کر دیا کہ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا)، اعاذنا اللہ من ذالک۔ ان دو صورتوں کے سوا اگر کوئی تیسری صورت ایسی نکلتی ہو جس سے ''اقامتِ دین'' کی یہ تعبیر بھی قائم رہے اور اللہ یا اس کے رسول پر کوئی الزام بھی عائد نہ ہوتا ہو تو ہم ضرور اسے معلوم کرنا چاہیں گے۔

اقامت دین کا حکم دینے کے بعد، آخری بات جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ: ﴿لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ﴾ ''دین میں تفرقہ نہ برپا کرو''، یا ''اس کے اندر متفرق نہ ہو جاؤ''۔ دین میں تفرقہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی دین کے اندر اپنی طرف سے کوئی نرالی بات ایسی نکالے جس کی کوئی معقول گنجائش اس میں نہ ہو اور اصرار کرے کہ اس کی نکالی ہوئی بات کے ماننے ہی پر کفر و ایمان کا مدار ہے، پھر جو ماننے والے ہوں انہیں لے کر نہ ماننے والوں سے جدا ہو جائے۔ یہ نرالی بات کئی طرح کی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین میں جو چیز نہ تھی وہ اس میں لا کر شامل کر دی جائے۔ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین میں جو بات شامل تھی اسے نکال باہر کیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین کی نصوص میں تحریف کی حد تک پہنچی ہوئی تاویلات کر کے نرالے عقائد اور انوکھے اعمال ایجاد کیے جائیں۔ اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین کی باتوں میں رد و بدل کر کے اس کا حلیہ بگاڑا جائے، مثلاً جو چیز اہم تھی اسے غیر اہم بنا دیا جائے اور جو چیز حد سے حد مباح کے درجے میں تھی اسے فرض و واجب بلکہ اس سے بھی بڑھا کر اسلام کا رکن رکین بنا ڈالا جائے۔ اسی طرح کی حرکتوں سے انبیاء کی امتوں میں پہلے تفرقہ برپا ہوا، پھر رفتہ رفتہ ان فرقوں کے مذاہب بالکل الگ مستقل ادیان بن گئے جن کے ماننے والوں میں اب یہ تصور تک باقی نہیں رہا ہے کہ کبھی ان سب کی اصل ایک تھی۔ اس تفرقے کا اُس جائز اور معقول اختلافِ رائے سے کوئی تعلق نہیں ہے جو دین کے احکام کو سمجھنے اور نصوص پر غور کر کے ان سے مسائل مستنبط کرنے میں فطری طور پر اہلِ علم کے درمیان واقع ہوتا ہے اور جس کے لیے خود کتاب اللہ کے الفاظ میں لغت اور محاورے اور قواعد زبان کے لحاظ سے گنجائش ہوتی ہے۔''

☆ پیر کرم شاہ صاحب الازہریؒ کی رائے:

''پہلے اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور عظمت و کبریائی کا بیان ہوا۔ اب اس دین قیم کے قائم

کرنے اور قائم رکھنے کا حکم صادر فرمایا جا رہا ہے جس کی تاسیس اور تکمیل کے لیے سارے اولو العزم رسول مصروف جہاد رہے۔ شرع کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔

شَرَعَ : سَنَّ : کوئی طریقہ مقرر کرنا۔ شَرَعَ : اَظْهَرَ، اَوْضَحَ وَبَیَّنَ۔ کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنا۔ اس کو یوں عیاں اور آشکارا کرنا کہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش تک باقی نہ رہے۔

ارشاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جس کی جلالتِ شان کے تذکرے ہو رہے ہیں اسی نے اس دین کو تم پر واضح اور بین کر دیا جس کا حکم اس نے رسولِ اوّل حضرت نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس پر آپ کو اے خاتم الانبیاء ﷺ بذریعہ وحی آگاہی بخشی ہے، اور یہی وہ دین ہے جس کے بارے میں حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو وصیت فرمائی گئی تھی۔ سپہر رسالت کے یہی وہ رخشندہ و تابندہ مہر و ماہ ہیں جنہیں اولوالعزم رسول کے جلیل لقب سے نوازا گیا ہے۔ فرمایا پہلے اور آخری رسول اور مختلف دہور و شہور میں تشریف لانے والے یہ جلیل القدر رسول ایک ہی دین اور ایک ہی نظامِ حیات کے داعی اور مبلّغ تھے۔ صرف داعی اور مبلّغ ہی نہیں، بلکہ اس کے مؤسّس اور اس کو پروان چڑھانے والے بھی تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے ایک دوسرے کی تکذیب نہیں کی اور اپنے اپنے دور میں علیحدہ ادیان قبول کرنے کے لیے نہیں کہا، بلکہ ایک اور صرف ایک دین کے لیے کوشاں رہے۔

۱۸ الف۔ آیت کے اس حصے کا پہلے حصے سے کیا تعلق ہے، اس کے متعلق دو قول ہیں: یا تو یہ شرع کے مفعول کا بدل ہے۔ اس صورت میں یہ حکماً منسوخ ہوگا یا یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ کلام کے پہلے حصے کو سننے کے بعد یہ سوال دل میں کھٹکنے لگتا تھا کہ وہ کیا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان اولوالعزم رسولوں کو دیا تھا۔ فرمایا: ھو اقامۃ الدین تو اَنْ اَقِیْمُوْا خبر ہے اور ھُوَ محذوف مبتدا۔ اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ تمام انبیاء کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ اس دین کو قائم کرو۔ لوگوں کی عملی زندگیوں میں اسے رائج کرو، تاکہ لوگوں کے اعمال اسی دین کے قالب میں ڈھل جائیں۔ صرف زبانی دعوت دینا اور اس دعوت کے محاسن کو بیان کرتے رہنا ہی انبیاء کا فریضہ نہ تھا، بلکہ ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ جہاں یہ نظامِ حیات رائج نہیں وہاں اسے رائج کیا جائے اور جہاں یہ رائج ہے وہاں یہ اہتمام کیا جائے کہ یہ رواج پذیر رہے۔ ایسے عوامل اور محرکات سے اس کی پوری پوری حفاظت کی جائے جو اس کو عملی زندگی سے بے دخل کرنے پر منتج ہوں۔

یہ نصب العین جو انبیاء و رسل علیہم السلام کی عظیم البرکات زندگیوں کا نصب العین تھا، یہی نصب العین آج اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوات واجمل التسلیمات کے لیے من جانب اللہ مقرر کیا گیا ہے اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آراء واَہواء کا اتباع

کر کے اپنی جمعیت کو انتشار کا شکار نہ بنا دیں اور ایک امت کو متعدد فرقوں میں بانٹ کر بے وقار نہ کر دیں، کیونکہ اگر انہوں نے اپنی وحدت اور یکجہتی کو فرقہ بازی کی نذر کر دیا تو پھر اقامت دین کے فریضہ سے وہ عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے، ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا، ان کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ نئے انسانی معاشروں میں اس کو قائم کرنا تو بڑی بات ہے، جہاں ان کے اسلاف کی کوششوں کے باعث دین قائم ہو چکا ہے وہاں اس کا باقی رہنا بھی مشکوک ہو جائے گا اور اس کا مشاہدہ ہم اپنے ہاں کر رہے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر متحد و متفق رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور حضور سرور عالم ﷺ نے بار بار اپنے ارشادات عالیہ، حکیمانہ میں ہمیں بے اتفاقی سے ڈرایا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ ﷺ ((مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ)) ''جس نے دانستہ ایک بالشت بھر کے لیے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اس نے گویا اپنے گلے سے اسلام کا رشتہ اتار پھینکا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قال رسول اللہ ﷺ: ((یَدُ اللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ)) ''اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کا ہاتھ جماعت پر ہے''۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی پیاری حدیث منقول ہے: قال رسول اللہ ﷺ:

((اِنَّ الشَّیْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ، یَاْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِیَةَ وَالنَّاحِیَةَ، وَاِیَّاكُمْ وَالشِّعَابَ، وَعَلَیْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ)) (رواہ احمد)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: جس طرح بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے اسی طرح شیطان، انسان کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے۔ بھیڑیا اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی یا دور آگے چلی جانے والی یا ایک طرف ہو جانے والی کو ہی پکڑتا ہے، اور میں تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ تم گروہ گروہ ہو جاؤ۔ تم پر لازم ہے کہ تم جماعت کے ساتھ اور عام لوگوں کے ساتھ رہو۔ (مظہری)'' (ضیاء القرآن)

☆ صوفی عبدالحمید سواتیؒ کی رائے:

''اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلامی نظام حکومت کا ایک خاکہ پیش کیا ہے کہ اگر وہ اہلِ ایمان کو دنیا میں غلبہ، اقتدار اور حکومت عطا کرے تو پھر ان کی کارگزاری وہ ہوگی جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ وہ لوگ کہ جب ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کر دیں تو وہ ﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز قائم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی وجہ سے اہل ایمان کو روحانی فوائد کے علاوہ بہت سے مادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ تعلق باللہ تو

روحانی فائدہ ہے جو نمازی کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وقت کی پابندی' احساسِ ذمہ داری' جماعت بندی' ایک دوسرے سے میل ملاپ اور امدادِ باہمی جیسی خوبیاں نماز کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اہلِ ایمان کو زمین پر حکومت دیں گے تو وہ پہلا کام یہ کریں گے کہ نماز کا نظام قائم کریں گے۔ خود بھی نماز پر کاربند ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں گے۔ یہ ایسی عبادت ہے کہ ہر عاقل' بالغ' مرد اور عورت پر دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض ہے اور یہ حقوق اللہ میں داخل ہے۔

فرمایا برسرِ اقتدار جماعت کا دوسرا کام یہ ہوگا: ﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی حقوق العباد میں شامل ہے اور اس کے ذریعے غریبوں اور محتاجوں کی اعانت کی جاتی ہے۔ اس نظام کی برکات سے کوئی شخص بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا۔ نظامِ زکوٰۃ حکومت کے مالیاتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے' لہٰذا کارپردازانِ حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود زکوٰۃ ادا کریں' بلکہ دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں۔ نیز زکوٰۃ کی وصولی اور مصرف ایک باقاعدہ سکیم کے تحت عمل میں لائیں۔ یہ حکومت کے فرائض میں داخل ہوگا۔

اللہ نے فرمایا کہ امرائے حکومت کے کرنے کا تیسرا کام یہ ہوگا: ﴿وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ کہ وہ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ خود تو اس اصول کی پابندی کریں گے مگر دوسروں سے پابندی کرانا بھی ان کے فرائض منصبی میں داخل ہوگا۔ نیکی میں تمام معروف چیزیں آ جاتی ہیں اور برائی میں ہر نقصان دہ چیز شامل ہے۔ برائی خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو' اخلاق یا اعمال سے' اس سے روکنا ضروری ہے۔ اگر کوئی حکومت برائی کو روکنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو پھر دنیا سے فتنہ و فساد ختم ہو جائے گا اور پورا خطہ امن کا گہوارہ بن جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے نظامِ حکومت کے متعلق ان چار بنیادی اصولوں یعنی اقامت صلوٰۃ' ادائے زکوٰۃ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کر دیا ہے۔ ان میں انفرادی اور اجتماعی سارا نظام آ جاتا ہے۔ ان پر عمل درآمد سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل جیسے روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انسان حقوق اللہ میں سرخرو ہوتا ہے تو دوسری طرف دنیا کی زندگی میں سکون و چین حاصل ہو کر حقوق العباد کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ حکومت کا مکمل نقشہ صرف خلافتِ راشدہ کے دور میں ملتا ہے۔ اس کے بعد زمان و مکان میں اس کا جستہ جستہ اثر نظر آتا ہے' وگرنہ مجموعی طور پر مسلمان ملوکیت کا شکار ہو گئے' جبر و استبداد کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اُمراء کی عیاشیوں کی وجہ سے ایک طبقہ بالکل نادار ہو گیا' نیکی مغلوب اور شر غالب آ گیا۔ اور اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا

زریں اصول فراموش کر دیا گیا۔ اب مسلمان بحیثیت مجموعی انحطاط کے دور سے گزر رہے ہیں۔ دنیا میں جس جگہ محکوم ہیں وہاں تو اسلامی نظام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' البتہ جہاں جہاں علاقائی طور پر مسلمان غالب بھی ہیں اور ان کی ریاستیں بھی موجود ہیں' وہاں بھی اسلامی نظامِ حکومت کی جھلک مشکل سے ہی نظر آتی ہے۔ بعض ملکوں نے اسلام کے کچھ اصول اپنائے ہیں مگر کچھ تو اپنی نااہلی اور ذاتی مفاد کی وجہ سے اور کچھ غیر مسلم بڑی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ سے مکمل اسلامی نظامِ حکومت کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

خلافت علیٰ منہاج النبوت: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خلافت علیٰ منہاج النبوت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب کہ خلافت راشدہ کا بوجھ اٹھانے والے آیت میں مذکور تمام شرائط پر پورا اتریں گے۔ اللہ نے یہ خلافت قائم کرنے والوں کی نشاندہی بھی فرما دی ہے' گزشتہ آیت میں گزر چکا ہے کہ ان صفات کے حاملین وہ لوگ ہوں گے ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ جن کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا ﴿اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ﴾ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یہ وہی پاکیزہ روحیں ہیں جنہیں مشرکین کی زیادتی سے تنگ آ کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اس بات کا اشارہ اللہ نے سورۂ توبہ میں بھی کر دیا: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (آیت ۱۰۰) یہ اولین سبقت کرنے والے مہاجر لوگ تھے جو مدینے پہنچے تو انصار ان کے معاون بن گئے۔ اللہ نے خلافت راشدہ انہی مہاجرین کے ذریعے قائم کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' عمر فاروق رضی اللہ عنہ' عثمان غنی رضی اللہ عنہ' اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب مہاجرین ہی تو تھے۔ جب اللہ نے انہیں اقتدار عطا فرمایا تو انہوں نے اس آیت کے تقاضوں کو حرف بحرف پورا کیا۔ خلافت راشدہ میں اقامت صلوٰۃ کا اتنا اعلیٰ انتظام تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گورنروں کو سرکلر جاری کیے: اِنَّ مِنْ اَهَمِّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلٰوة (موطا امام مالکؒ) ''تمہارے تمام امور میں میرے نزدیک نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے''۔ جس نے نماز کی حفاظت کی وہ باقی دین کی حفاظت بھی کرے گا' اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ دین کے باقی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ نماز کے لیے ایسا مکمل نظام ہونا چاہیے کہ کوئی فردِ واحد بھی بے نماز نہ ہو۔ خلافت راشدہ کے پورے دور میں آپ کو یہ نظام روزِ روشن کی طرح ملے گا۔

اسی طرح خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کا ایسا عمدہ نظام قائم کیا کہ زکوٰۃ قوم کے اُمراء سے وصول کر کے غرباء میں تقسیم کی جاتی تھی تاکہ کوئی آدمی بھوکا پیاسا نہ ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ((تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ)) (صحیح بخاری) ''مسلمانوں کے

خوشحال لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرو‘ محتاجوں میں تقسیم کردو۔‘‘ چنانچہ خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کا مثالی نظام قائم کیا‘ حتیٰ کہ ایک زمانے میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔ اس زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام بھی اعلیٰ پیمانے پر کیا گیا اور خلفائے راشدین نے ہر نیکی کے کام کی حوصلہ افزائی کی اور ہر برائی کی جڑ بنیاد کاٹ دی۔ غرضیکہ اس آیت میں مذکورہ چاروں کام خلفائے راشدین نے کماحقہٗ انجام دیے۔ اسی لیے ان کی خلافت کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا جاتا ہے۔‘‘

☆ **استاد محمد مبارکؒ کی رائے:** شام کے استاد محمد مبارکؒ نے اپنی کتاب: **الفکر الاسلامی الحدیث فی مواجھۃ الافکار الغربیۃ**‘ میں اس پہلو کے بارے میں بڑی عمیق گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

’’ہمارے موجودہ دور میں مسلم کامل اس کو کہا جاتا ہے جو عبادات بمعنی پوجا پاٹ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے سوا کسی کام میں دخل نہ دیتا ہو۔ اپنی خانقاہ میں بیٹھا ہو‘ اس سے باہر نہ نکلتا ہو اور ہر وقت اپنے ذکر و اذکار میں مصروف ہو۔ عبادت کی یہ صورت قطعی طور پر اس صورت کے مطابق نہیں ہے جس پر نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والے صحابہ کرام عمل پیرا تھے۔ اگر ان کی زندگی کا ایک بڑا جزء عبادت تھا تو جہاد بھی اس کے صفحات کو بھرے ہوئے تھا۔ معاشرے کو غلط عقائد سے آزاد کرنے کا جہاد‘ صحیح عقائد کو دلوں میں بٹھانے کا جہاد‘ معاشرے کو ظالم کے ظلم و استبداد سے نجات دلانے کا جہاد‘ کمزوروں کی مدد کا جہاد۔ اور لوگوں کے درمیان عدل کے قیام کا جہاد۔ اس طرح ایک مسلمان کی زندگی بھی ناقص اور مضطرب رہتی ہے جو جہاد اور معاشرتی اصلاح میں تو مشغول رہتا ہو مگر وہ عبادت اور تعلق باللہ سے خالی ہو۔‘‘

☆ **سید قطبؒ کی رائے:**

’’سرکشی اور ظلم ہر معاشرے میں ہوتے رہتے ہیں‘ اس لیے کہ ہر معاشرے میں شریر‘ مفسد اور منحرف لوگ ہوتے ہیں‘ یہ زمین کسی بھی وقت شر و فساد سے خالی نہیں رہ سکتی۔ معاشرے کے اندر ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی روش نرالی ہوتی ہے‘ لیکن معاشرے کا اجتماعی مزاج شر اور منکر کو برداشت نہیں کرتا اور سرکشی اور ظلم کو معاشرے کے مسلمات قرار پانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے سرکشی اور ظلم کا ارتکاب کسی بیدار معاشرے کے اندر بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح زندہ معاشروں کے اندر برائی کا ارتکاب مشکل ہوتا ہے اور معاشرہ اجتماعی طور پر شر کے خلاف ردِّعمل ظاہر کرتا ہے۔ معاشرے کے اجتماعی بندھن مضبوط ہوتے ہیں اور برائی

چند افراد کے اندر محدود ہوتی ہے۔ معاشرہ ان کا پیچھا کر رہا ہوتا ہے اور انہیں جمنے نہیں دیتا۔ ایسے حالات میں فحاشی اور منکر شائع نہیں ہوتے۔ پھیلتے نہیں بلکہ سکڑتے ہیں اور یہ معاشرے کے اجتماعی ضمیر اور مزاج کی وجہ سے ہوتا ہے..... قرآن اسلامی نظامِ جماعت کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ اس کا ایک مضبوط اجتماعی وجود ہونا چاہیے اور اس وجود کے اندر اس قدر قوتِ دفاع ہونی چاہیے کہ وہ سرکشی اور ظلم کو برداشت ہی نہ کرے چہ جائیکہ وہ معاشرے کی ایک عام روش ہو جائے۔ اسلامی معاشرے کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اسے بڑی سختی سے سچائی پر قائم ہونا چاہیے اور باطل کے بارے میں سخت حساس ہونا چاہیے۔ دین کے ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ اس امانت کی حفاظت کریں جس کے وہ امین اور محافظ ہیں۔ اور شر‘ فساد‘ سرکشی اور ظلم کی راہ روکیں اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ چاہے یہ شر ایسے حکام کی جانب سے ہو جن کا حکومت پر تسلط ہو‘ یا ایسے سرمایہ داروں کی طرف سے ہو جنہوں نے دولت جمع کر کے اثر و رسوخ حاصل کر لیا ہو‘ یا ایسے شر پسندوں کی طرف سے ہو جن کو معاشرے میں ایذا رسانی کی قوت حاصل ہو‘ یا ایسے عوام کی جانب سے ہو جو بے راہ رو ہیں۔ اسلامی نظام بہرحال خدائی نظام ہے اور اس کے خلاف اٹھنے والے بااثر ہوں یا بے اثر ہوں وہ سب باغی تصور ہوں گے۔

اسلام اس فرض کی ادائیگی پر بہت ہی زور دیتا ہے۔ اگر معاشرے کا اجتماعی وجود کسی شر کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا تو اسلام پورے معاشرے کو مجرم گردانتا ہے۔ جس طرح ایک ایک فرد ذمہ دار ہے اسی طرح برائی کے خلاف اٹھنے کی ذمہ داری بھی پورے معاشرے پر عائد ہوتی ہے۔ (المائدہ:۷۹)‘‘

☆ **ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی رائے:**

’’ہر ذی شعور مسلمان کا اولین فرض ہے کہ وہ اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی پوری زندگی اس کی کامل اطاعت میں دے دے (جو الازما اطاعت رسول ہی کے واسطے سے ہوگی)۔ اس رویے کا نام عبادت رب ہے جو کہ ہر انسان سے اللہ کا پہلا مطالبہ ہے اور جس کی طرف نوعِ انسانی کو دعوت دینے کے لیے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث ہوئے اور جو از روئے قرآن جنوں اور انسانوں کا عین مقصدِ تخلیق ہے۔ اس کے ساتھ ہی‘ اس پر لازم ہے کہ اپنی صحت و قوت‘ فرصت و فراغت‘ صلاحیت و استعداد‘ مال و دولت اور وسائل و ذرائع کا زیادہ سے زیادہ حصہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر‘ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل‘ دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین‘ نصرتِ خدا و رسول ﷺ اور حمایت و اقامتِ دین اور شہادت علی الناس اور اظہارُ دینِ الحَقِّ علی الدّین کُلّہٖ کے لیے وقف کر دے۔‘‘

☆ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی رائے:

''اسی طرح اس امت کے لیے دُنیوی عزت واقبال کی بازیافت کی راہ بھی اس کے سوا کوئی دوسری نہیں' جس کا ناقابلِ انکار ثبوت قرآن مجید کا وہ ارشاد ہے جو اس نے ذلت ومسکنت کے مارے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا تھا:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۶۵ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶﴾ (المائدۃ)

''اگر (اس سرکشی کے بجائے) اہلِ کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے اور انہیں نعمت بھری جنتوں میں داخل کر دیتے۔ اور اگر وہ تورات وانجیل کو اور ان (صحیفوں) کو جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بھیجے گئے تھے' قائم رکھتے تو وہ خوب کھاتے (پیتے' ان کے) اوپر سے (رزق برستا) اور نیچے سے (اُبلتا)۔ ان میں سے ایک گروہ میانہ رو (بھی) ہے' لیکن ان میں اکثر (ایسے بدکردار ہیں کہ) جو کچھ کرتے ہیں (برائی ہی) برائی ہے۔''

یہ تھی وہ تدبیر جس کے ذریعے اُمت اسرائیل کو اس کا کھویا ہوا اقبال واپس مل سکتا تھا۔ اس ارشادِ قرآنی کی روشنی میں اُمتِ مُسلمہ کا معاملہ بھی کچھ مشکل نہیں رہ جاتا۔ مرض کی یکسانی چاہتی ہے کہ علاج بھی ایک ہی ہو۔''

(جاری ہے)

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں
اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبوی طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت

اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

بقیہ: عرضِ احوال

ذرا سوچیے! اس پوجا پاٹ سے ملک کے سادہ لوح عوام کو کیا پیغام دیا گیا؟ پھر ۲۰۱۷ء میں نواز شریف نے ہندوؤں کے ہولی کے تہوار میں شرکت کی اور دیوالی میں شرکت کی خواہش ظاہر کی۔

اسی پس منظر میں کرتار پور راہداری کی تاریخ پر بھی ایک نظر ضروری ڈالنی چاہیے۔ ۲۰۰۰ء میں پاکستان نے کرتار پور میں واقع گردوارے کی زیارت کے لیے بھارتی سکھ زائرین کے لیے پاسپورٹ یا ویزہ کی پابندیاں ختم کرنے کا اعلان کیا تھا اور سرحد کی بھارتی طرف ایک پل کی تعمیر کا عندیہ بھی دیا تھا۔ اگست ۲۰۱۸ء میں بھارتی پنجاب کے سابق ایم پی اے اور وزیر نوجوت سنگھ سدھو نے اعلان کیا کہ پاکستانی جنرل قمر جاوید باجوہ نے انہیں بتایا ہے کہ پاکستان کرتار پور کی راہداری کھول دے گا۔ ۲۶ نومبر ۲۰۱۸ء کو بھارتی نائب صدر وینکایا نائیڈو نے بھارتی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے گاؤں منن میں ڈیرہ بابا نانک کرتار پور صاحب راہداری کی بنیاد رکھی۔ ۲۸ نومبر ۲۰۱۸ء کو پاکستانی وزیراعظم عمران خان نے کرتار پور میں نوجوت سنگھ سدھو اور بھارتی وزراء کی موجودگی میں اس راہداری کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور بالآخر گرونانک کی ۵۵۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ۹ نومبر ۲۰۱۹ء کو اس راہداری کا افتتاح کر دیا گیا۔

اس سارے پس منظر کو بیان کرنے کے بعد ہماری رائے یہ ہوگی کہ اگر اقلیتوں کو حقوق دینے ہیں تو پہلے اکثریت کا وہ اصل حق تو دیجیے جس کی بنیاد پر یہ ملک قائم کیا گیا تھا اور وہ حق تھا اسلامی نظام کا نفاذ۔ اگر اکثریت کو وہ حق دے دیا جائے تو ریاست مدینہ کا خواب خود بخود پورا ہو جائے گا' جس میں اقلیتوں کے بھی تمام حقوق محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اکثریت کو اس کا یہ حق دیے بغیر یہ سب کیا جائے گا تو اس کا مطلب اکثریت یہی لے گی کہ دراصل یہ سب اس نیو ورلڈ آرڈر کے تحت ہی ہو رہا ہے جو نائن الیون کے بعد مطلوب ومقصود ہے۔ اور اللہ نہ کرے اگر ایسا ہو تو یہ بحیثیت قوم ہماری ایسی تاریخی غلطی ہوگی جس سے نہ صرف نظریہ پاکستان کی جڑیں کٹ جائیں گی' بلکہ اس پورے خطے کے مسلمانوں کے ایمان اور جان کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی' کیونکہ نیو ورلڈ آرڈر کا تقاضا اس خطے میں بھی وہی ہے جو مشرق وسطیٰ اور پوری دنیا میں ہے اور وہ ہے ایسی گلوبل آئیڈیالوجیکل اینڈ ڈیموگرافک چینج جو دجال کی عالمی حکومت کے استقبال کے تقاضے پورے کر سکے۔ اللہ کرے ہمارے خدشات غلط ثابت ہوں اور اس سے قبل اس خطہ کے مسلمان بیدار ہو جائیں۔ آمین!

قال رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ (صحیح البخاری 5027)

’’تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے۔‘‘

شائقین علومِ قرآنی کے لیے خوشخبری!!!

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں؟

☆ ازروئے قرآن ہماری دینی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ☆ نیکی اور تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

☆ جہاد اور قتال کی حقیقت کیا ہے؟ ☆ دین اور مذہب میں فرق کیا ہے؟

☆ کیا آپ دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

☆ کیا آپ قرآن حکیم کی فکری اساس اور بنیادی عملی ہدایات سے روشناس ہونا چاہتے ہیں؟

☆ کیا آپ نجی مجالس میں اسلام پر ہونے والی تنقید کا مناسب اور مدلل جواب دینے کی اہلیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

تو آج ہی **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمہ اللہ کے مرتب کردہ شہرہ آفاق

مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

آن لائن (**ONLINE**) کورس

بعنوان ’’قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس‘‘ میں داخلہ لیجیے

مزید معلومات کے حصول کے لیے ہماری

ویب سائٹ www.tanzeem.org وِزٹ کریں۔

برائے رابطہ: انچارج شعبہ خط وکتابت کورسز' قرآن اکیڈمی' K-36' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: 3-35869501(42-92+) واٹس ایپ نمبر: 0312-4094555

E-mail:distancelearning@tanzeem.org

Dec 2019 Regd. CPL No.115
Vol.68 No.12
Monthly Meesaq Lahore